شوال، ذوالقعدة
علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
جون 2021

ماہ نامہ

ذوق شوق

کراچی

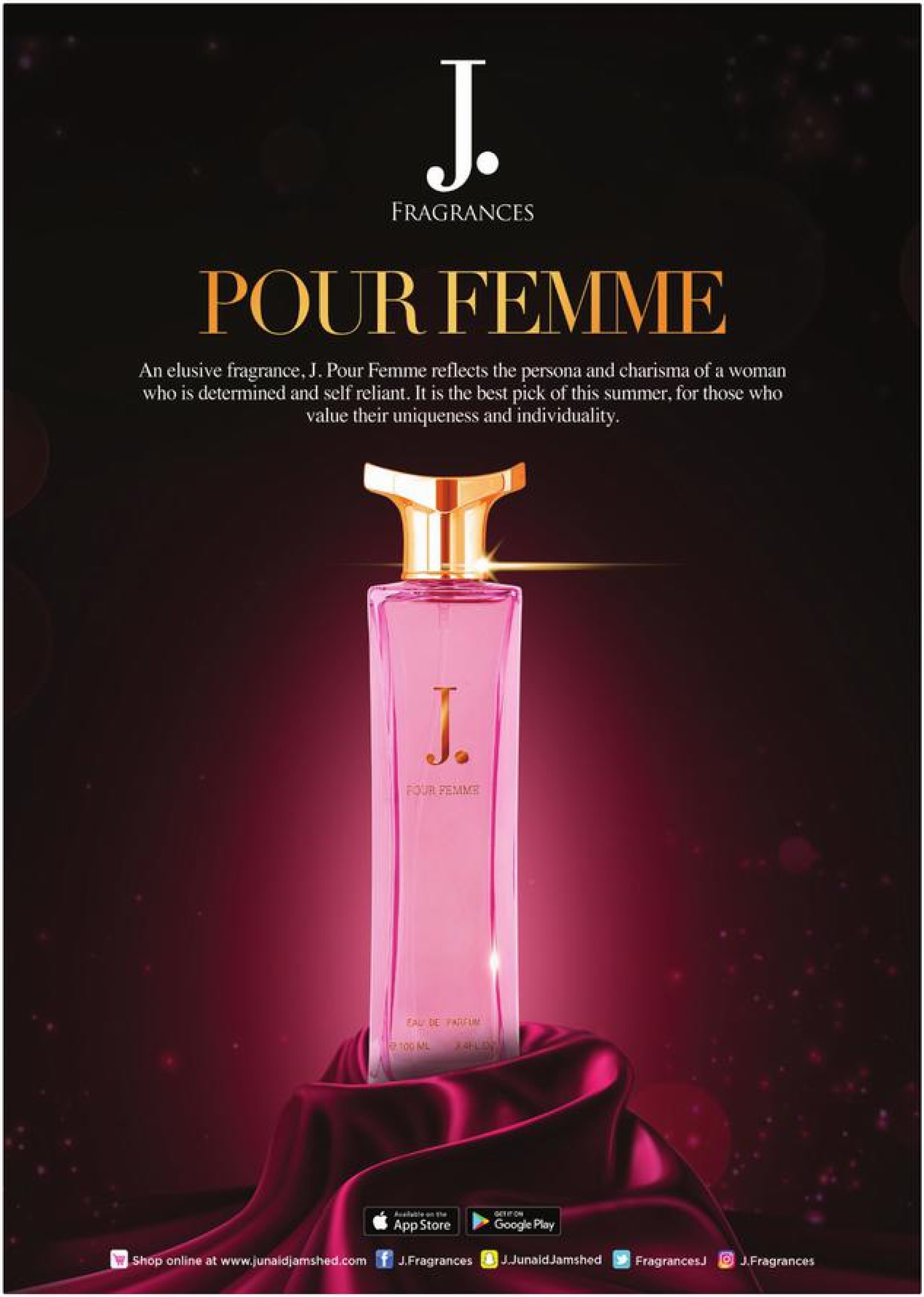
J.
FRAGRANCES
POUR FEMME
An elusive fragrance, J. Pour Femme reflects the persona and charisma of a woman who is determined and self reliant. It is the best pick of this summer, for those who value their uniqueness and individuality.
J.
POUR FEMME
EAU DE PARFUM
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
Shop online at www.junaidjamshed.com
J.Fragrances
J.JunaidJamshed
FragrancesJ
J.Fragrances

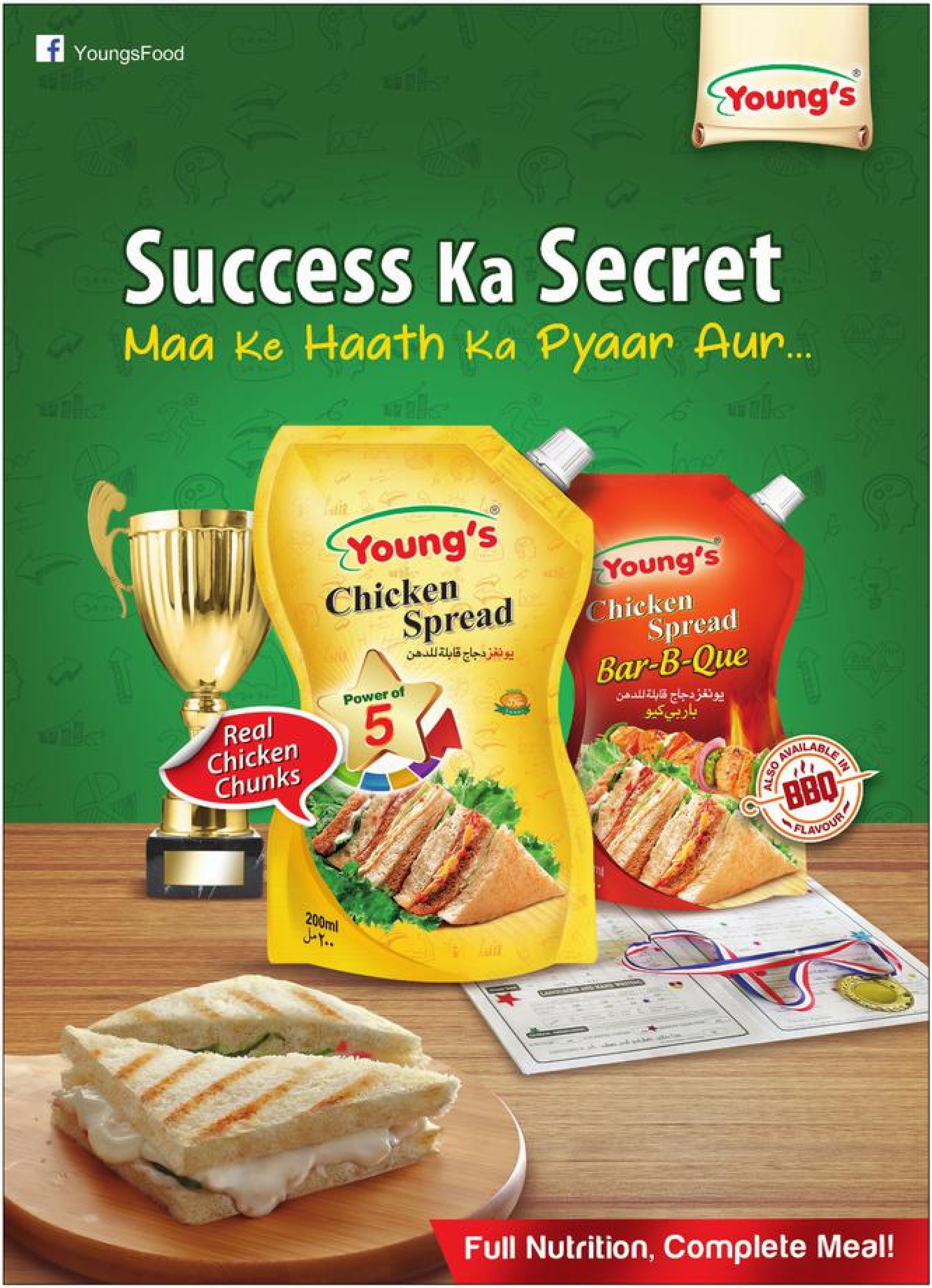
YoungsFood
Young's
Success Ka Secret
Maa Ke Haath Ka Pyaar Aur...
Young's
Chicken Spread
يونغز دجاج قابلة للدهن
Power of 5
Real Chicken Chunks
200ml
٢٠٠ مل
Young's
Chicken Spread
Bar-B-Que
يونغز دجاج قابلة للدهن
باربي كيو
ALSO AVAILABLE IN BBQ FLAVOUR
Full Nutrition, Complete Meal!

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
IMLI GINGER SAUCE
BAR-B-Q SAUCE
GREEN CHILLI SAUCE
GARLIC CHILLI SAUCE
SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES
TASTY!
DELICIOUS!
KHAANON KAY MUST HAVES!
Shangrila
TOMATO KETCHUP
Real
SMART PACK
Tantalize your taste buds
TOMATO KETCHUP
Tantalize your taste buds
www.shangrila.com.pk
shangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبدالعزیز

(مفہوم آیات: 88، از سورۂ بقرہ)

''اور وہ (یہودی طنزیہ طور پر) کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر (ایسے) غلاف ہیں (کہ دوسرے مذہب کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، لہٰذا اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ پختگی نہیں ہے)، بل کہ ان کے کفر کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ نے ملعون قرار دے دیا ہے، سو بہت ہی تھوڑا سا وہ ایمان رکھتے ہیں۔ (اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں، پس وہ کافر ہی ٹھہرے)۔''

عزیز دوستو! اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کی ایک اور بُری صفت بتلا رہے ہیں کہ یہودی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ آپ ﷺ کی سچائی کی علامتیں اور معجزے دیکھ کر بھی انکار کرتے تھے اور اس گمراہی کو اپنے لیے کمال سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں، ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، کسی کی بات ہمارے دلوں پر اثر نہیں کر سکتی اور ہم اپنے دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین قبول نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی نفی فرمائی کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق کو بھی جانتے ہیں، لیکن حق سے انھیں نفرت ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں ملعون قرار دے دیا ہے، یہ لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہیں، ان کے دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں، بس کفر کی پھٹکار اور مار کی وجہ سے ایمان سے محروم ہیں۔ مطلب یہ کہ کفر میں ان کی پختگی، لعنت، پھٹکار اور دلوں پر مہر لگ جانے کی وجہ سے ہے، جس پر وہ فخر کر رہے ہیں۔

آخر میں یہ جو فرمایا کہ ''بہت کم ایمان لاتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر تو ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا، لیکن تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا، جن میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی بھی ہے، اس سے انکار کر رہے ہیں اور ایک نبی کی نبوت کا انکار بھی کفر ہے، لہٰذا یہ تھوڑا ایمان ہوا اور ایسا تھوڑا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دے گا۔

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ ہمیں یہودیوں کی ان بُری صفات سے بچائے اور ایسے پکے مومن بنائے جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی تمام باتوں پر سچے دل سے ایمان لانے والے ہوں۔ آمین یا رب العالمین!

پیغامِ نبوی ﷺ

راشد علی نواب شاہی

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کو کوئی جسمانی دکھ درد یا کوئی اور تکلیف ہو وہ اپنا دایاں ہاتھ تکلیف کی جگہ رکھے، پھر تین مرتبہ بسم اللہ کہے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھے:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ

(الصحیح للمسلم، السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الالم، الرقم: ۲۲۰۲)

عزیز ساتھیو! اس دنیا میں خوشی بھی ہے اور غم بھی، صحت بھی ہے اور بیماری بھی، پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی۔ کبھی انسان کو خوشی ملتی ہے اور کبھی دکھ کی خبر سنتا ہے۔ کبھی آدمی بیمار ہوتا ہے، جسم میں تکلیف ہوتی ہے، ایسے موقع پر حضور ﷺ نے ہمیں ایک بہت بڑا تحفہ عطا فرمایا ہے۔

ہم اس دکھ اور تکلیف کے موقع پر اس سے فائدہ اٹھائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بتائیں۔

یہ تحفہ اوپر والی حدیث میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

اس حدیث کا ترجمہ ہے:

''میں اللہ اور اُس کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں۔ اس تکلیف کے شر سے جو مجھے ہو رہی ہے اور جس سے میں ڈر رہا ہوں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ان مبارک کلمات میں اللہ تعالیٰ نے کیا تاثیر رکھی ہے جو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں بتائے ہیں۔

عزیز ساتھیو!

اللہ نہ کرے کہ کسی کو کوئی تکلیف اور کوئی درد ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کبھی ہو جائے تو ہم خود بھی اس مبارک دعا سے فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی یہ بتائیں، تاکہ وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہنامہ

ذوق و شوق
کراچی

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شوال، ذوالقعدۃ ۱۴۴۲ ہجری | جلد: 16

شمارہ: 06

ناشر: محمد عارف رشید

مجلس ادارت

■ مدیر: عبدالعزیز
■ معاون: محمد طلحہ شاہین

مجلس مشاورت

پروفیسر محمد احمد خان صاحب
راشد علی نواب شاہی

سرورق السٹریٹر: سید ناصر
آرٹسٹ: قیصر شریف
کمپوزر: سعد علی
نگران ترسیل: منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت
70

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
1000/=
بذریعہ عام ڈاک
750/=

ماہنامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:
ماہنامہ ذوق و شوق پی۔ او۔ بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی
Email: zouqshouq@hotmail.com
zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں
0213-4990760, 0341-4410118
What's app: 0324-2028753
دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

سیرت کہانی (25)	عبدالعزیز	06
بلاعنوان (۱۲۶)	فائزہ رانا مزمل	09
پنجاب پبلک لائبریری	رانا محمد شاہد	11
گرمیاں (نظم)	ارسلان اللہ خان	13
شکر	بنت محمد جاوید	14
نقشہ	حافظ محمد اشرف	16
سوال آدھا، جواب آدھا (21) (کھیل)	الطاف حسین	18
جھوٹوں کے جھوٹے (12)	حافظ محمد دانش عارفین حیرت	19
بادشاہ کون؟	شاہد اقبال	23
ستو (اناج)	سعد علی چھیپا	24
صبر و شکر کا پیکر (تاریخی جھلکیاں)	محمد حذیفہ رفیق زم زمی	25
آئیڈیل کون	محمد سعد صالح	27
مقابلہ خوش خطی (9) (کھیل)	اشتراک: البدر اسکول	28
یادوں کے دریچوں سے	شفا محمد احمد	29
بکھرے موتی	قارئین	31
آیئے، پشاور چلتے ہیں	الطاف حسین	32
قرآن کوئز (10) (کھیل)	سعد علی چھیپا	41
باغ باغ ہونا	ڈاکٹر الماس روحی	46
کاش! اے کاش! (نظم)	انصار احمد معروفی قاسمی	47
حی علی الفلاح	اکبر امین میمن	48
یہ تو پھر ہونا تھا!	مفتی محمد معاویہ اسماعیل	51

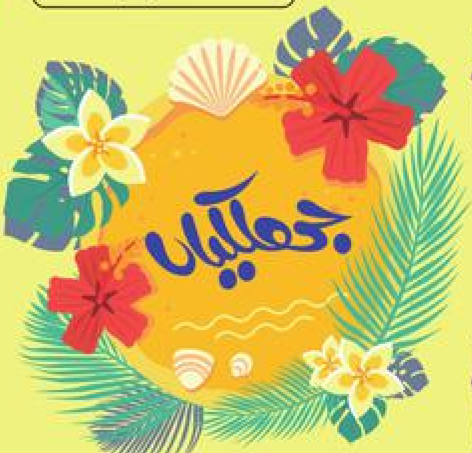

پرنٹر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیم و تربیت، ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS
Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE , LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

ہمارے ایک دوست کے والد صاحب اس وقت ہسپتال میں داخل ہیں۔ ان کے لیے دعا فرما دیجیے گا۔

اس سے پہلے کہ آپ کے ذہنوں میں یہ سوال کلبلائے کہ آج یہ علیک سلیک کس طرح شروع کی گئی ہے! آج غم کی خبر سے ابتدا کیوں کی گئی ہے! تو ہم خود ہی بتائے دیتے ہیں۔

ہوا یہ کہ آج ہم جب اپنے ان دوست کے والد صاحب کی بیمار پرسی کر رہے تھے تو اُس وقت ہمارے ایک اور دوست جو قرآن کریم کے حافظ اور قاری بھی ہیں، بیمار پرسی کے لیے تشریف لے آئے۔ دیگر باتوں کے علاوہ انھوں نے اپنے ساتھ ہونے والا ایک واقعہ بیان کیا، جسے سن کر ہم ششدر رہ گئے۔ آپ بھی ان کی زبانی سنیے:

’’کچھ عرصے پہلے میری والدہ صاحبہ بھی ہسپتال میں تھیں۔ میں ان کی تیمارداری کے لیے وہیں رُکتا تھا۔ جب میں ان کے پاس اندر ملنے جاتا تو قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا۔ وارڈ کی نگرانی جو ڈاکٹر صاحب کر رہے تھے، انھوں نے ایک روز مجھ سے کہا:

’’آپ جو پڑھتے ہیں وہ یہاں آ کر سب مریضوں کے لیے پڑھا کیجیے۔‘‘ میں نے خوشی خوشی ان کی فرمائش پوری کرنے کی ہامی بھر لی اور وارڈ میں قرآن کریم پڑھنے لگا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے لے جا کر مشین میں دکھایا کہ دیکھو، ہمارے علاج سے اتنا فرق نہیں پڑتا جتنا تمھارے پڑھنے سے پڑتا ہے۔‘‘ مجھے حیرت و مسرت ہوئی۔ انھوں نے مزید کہا:

’’میں اس پڑھنے پڑھانے کو نہیں مانتا، کیوں کہ میں ہندو ہوں، لیکن مجھے ماننا پڑ رہا ہے، اس لیے کہ مشین بتا رہی ہے کہ اس پڑھنے سے فرق پڑ رہا ہے!‘‘

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات سن کر میری تو حیرت کی انتہا نہ رہی، لہٰذا میں آپ سے بھی کہتا ہوں کہ جب اپنے والد صاحب کی عیادت کرنے جائیں تو قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کریں اور آپ کے صاحب زادے، جس مدرسے میں پڑھ رہے ہیں، ان کے قاری صاحب سے بھی کہہ دیں کہ بچوں سے قرآن کریم پڑھوائیں۔‘‘

یہ بات قاری صاحب نے ہمارے دوست سے کہی جو بہت غور سے قاری صاحب کی بات سن رہے تھے۔ بات تو اُن کی ہم بھی بہت غور سے سن رہے تھے، بل کہ سر بھی دھن رہے تھے اور یہ بھی سوچ رہے تھے کہ سچ ہے، حق ہے ہمارے رب کا فرمان:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۔ (اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان داروں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔) (الاسراء:82)

اس آیت کی تفسیر میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح کفر وغیرہ بیماریوں کا علاج قرآن کریم میں ہے اسی طرح جسمانی بیماریوں کا علاج بھی اس میں ہے۔

تو قارئین کرام! ہم سب کو اپنے بیماروں کا علاج قرآن کریم سے کرنا چاہیے۔ دنیاوی علاج و معالجے کے ساتھ ساتھ اپنے بیماروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفائے کامل و عاجل نصیب فرمائے! آمین

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں اور اللہ کے رسول (ﷺ) غار میں تھے اور قریش تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے، اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا:

یارسول اللہ! ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو یقیناً وہ ہمیں دیکھ لے گا۔"

آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اے ابوبکر! ان دو شخصوں کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے، یعنی ہم دونوں تنہا نہیں ہیں، تیسرا ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے جو ہمیں ان دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

(بخاری و مسلم)

جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت غمگین ہیں تو فرمایا:

"تم بالکل غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسکین کے لیے دعا بھی فرمائی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک خاص سکون اور اطمینان نازل ہوگیا۔ اسی بارے میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۴۰ نازل ہوئی، جس کا مفہوم ہے:

"جب وہ دونوں غار میں تھے تو نبی اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ تم بالکل غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خاص تسکین نازل فرمائی اور انھیں ایسے لشکروں سے قوت دی جنھیں تم نہیں دیکھتے اور کافروں کی بات نیچے کی اور اللہ تعالیٰ کی بات تو ہمیشہ ہی اوپر رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو بڑا زبردست حکمت والا ہے۔"

(فتح الباری، ج:۷، ص:۱۰)

تین روز تک آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں چھپے رہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما تمام دن مکے میں رہتے، مشرکین کی خبریں معلوم کرتے اور رات کو آ کر تمام حالات سے آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرتے اور صبح ہی وہاں سے نکل جاتے۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے) عشا کے بعد جب اندھیرا ہو جاتا تو بکریاں لے کر غار پر حاضر ہو جاتے، تاکہ یہ دونوں حضرات دودھ پی لیں۔ اس طرح تین راتیں غار کے اندر گزاریں۔ تین روز کے بعد عبداللہ بن اریقط دوئلی (جیسے راہ بری کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) حسب وعدہ صبح کے وقت دو اونٹنیاں لے کر غار پر حاضر ہوگیا اور مشہور راستہ چھوڑ کر غیر مشہور راستے یعنی ساحل کی طرف سے آپ ﷺ کو لے کر چلا۔

(بخاری، باب الہجرۃ،۔۔۔)

ایک اونٹنی پر نبی کریم ﷺ سوار ہوئے اور دوسری پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو خدمت کے لیے ساتھ لے لیا اور اپنے پیچھے بٹھالیا اور عبداللہ بن اریقط اپنے اونٹ پر بیٹھ کر راستہ دکھانے کے لیے آگے آگے چلنے لگا۔

(زرقانی، ج:۱، ص:۳۴۰)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ اللہ کی راہ میں اور غلاموں کو خرید خرید کر اللہ کے لیے آزاد کرنے میں سب خرچ ہوگیا۔ صرف پانچ ہزار باقی تھے اور وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے لیے مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد کے لیے، زمین خریدی تو وہ

بھی

ختم ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ایک درہم بھی باقی نہیں تھا۔‘‘

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’آپ کی روانگی کے بعد کچھ لوگ میرے والد صاحب کے گھر آئے جن میں ابوجہل بھی تھا، پوچھا: ’’تیرے والد کہاں ہیں؟‘‘

میں نے کہا: ’’اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں۔‘‘ تو ابوجہل نے اس زور سے میرے طمانچہ مارا کہ میرے کان کی بالی گر پڑی۔‘‘ (سیرت ابن ہشام، ج:۱،ص:۴۸۷)

راستے میں ام معبد کے خیمے پر سے گزر ہوا۔ ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ خیمے سے باہر بیٹھی رہتی تھیں۔ ان حضرات نے ام معبد سے گوشت اور کھجور خریدنے کی غرض سے دریافت کیا، مگر کچھ نہ پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خیمے کے اندر پڑی تو ایک جانب ایک بکری دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

’’یہ بکری کیسی ہے؟‘‘ ام معبد نے کہا:

’’یہ بکری بہت دبلی ہونے کی وجہ سے بکریوں کے گلے کے ساتھ جنگل نہیں جا سکی۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اس میں کچھ دودھ ہے؟‘‘ ام معبد نے کہا:

’’اس میں کہاں سے دودھ آیا؟‘‘ آپ نے فرمایا:

’’مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟‘‘ ام معبد نے کہا:

’’میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! اگر اس میں دودھ ہو تو ضرور دوہ لیں۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھن پر دست مبارک رکھا، تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ ایک بڑا برتن، جس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہو جائیں، دودھ سے بھر گیا۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کو دودھ پلایا، یہاں تک کہ ام معبد کا پیٹ بھر گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں آپ علیہ السلام نے خود پیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دودھ دوہا، یہاں تک کہ وہ بڑا برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ

برتن

ام معبد کو دیا اور آگے روانہ ہوئے۔ جب ان کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے تو دیکھا کہ ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا رکھا ہے۔ تعجب سے پوچھا:

’’اے ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا؟ اس بکری میں تو دودھ کا نام تک نہیں تھا!‘‘ ام معبد نے کہا:

’’آج یہاں سے ایک مبارک شخص گزرے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ سب اسی کی برکت ہے۔‘‘ اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا:

’’ذرا اُن کا کچھ حلیہ تو بیان کرو۔‘‘ ام معبد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور عظمت و جلال اور ہیبت و وقار کا نقشہ کھینچ دیا۔ ابو معبد نے کہا:

’’میں سمجھ گیا کہ یہ وہی قریش والے آدمی ہیں، میں بھی ضرور اُن کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔‘‘ (مستدرک حاکم، ج:۳،ص:۱۱)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو معبد اور ام معبد دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قریش کے لوگوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر کو (نعوذ باللہ!) قتل کر دے یا گرفتار کر کے لائے گا، اسے اس کے بدلے میں سو اُونٹ انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن مالک بن جعشم کہتے ہیں:

’’میں ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے آ کر یہ بتایا کہ میں نے چند لوگوں کو ساحل کے راستے سے جاتے ہوئے دیکھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ محمد اور اُن کے ساتھی ہیں۔‘‘ سراقہ کہتے ہیں:

’’میں نے سمجھ لیا کہ بے شک یہ وہی ہیں، لیکن اسے یہ کہہ کر ٹلا دیا کہ یہ محمد اور اُن کے ساتھ نہیں ہوں گے، بل کہ اور لوگ ہوں گے، تا کہ یہ شخص یا کوئی اور یہ سُن کر قریش کا انعام نہ حاصل کر لے، پھر کچھ دیر بعد میں اٹھا اور باندی سے کہا کہ گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دو اور میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پچھلی طرف سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑتا ہوا ساحل کی طرف چلا۔‘‘

جب سراقہ بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا:

''یارسول اللہ! اب ہم پکڑ لیے گئے۔ یہ شخص ہماری تلاش میں آرہا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہرگز نہیں! تم غمگین نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

اور سراقہ کے لیے بدُعا فرمائی۔ اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں کی بدُعا سے ایسا ہوا ہے۔ آپ دونوں حضرات اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے۔ خدا کی قسم! میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ جو شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا، اسے واپس کردوں گا۔''

آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اسی وقت زمین نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔

سراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا اور قریش کے لوگوں نے جو آپ کے قتل یا گرفتاری کے لیے سو اُونٹ انعام کا اعلان کیا تھا، اس کی میں نے آپ ﷺ کو اِطلاع دی اور جو زادِراہ میں لے کر چلا تھا، وہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا، البتہ یہ فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

سراقہ کہتے ہیں کہ مزید اِحتیاط کی غرض سے میں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ایک تحریرِ اَمن اور معافی کی مجھے لکھوا دیں۔ آپ ﷺ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ کر مجھے عطا کی اور روانہ ہوگئے۔ میں بھی امان نامہ لے کر واپس ہوا۔ راستے میں جو شخص آپ کے تعاقب میں ملتا تھا۔ اسے وہیں سے واپس کر دیتا اور یہ کہہ دیتا کہ تمھارے جانے کی ضرورت نہیں، میں دیکھ آیا ہوں۔'' (بخاری، ج:۱، ص:۵۱۵ تا ۵۵۷)

سراقہ بن مالک نے کسی موقع پر ابُوجہل کو مخاطب کر کے چند اشعار کہے تھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے ابُوجہل! خدا کی قسم! تُو اگر اُس وقت موجود ہوتا جب میرے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس گئے تھے تو تُو یقین کر لیتا اور تجھے ذرہ برابر شک نہ رہتا کہ محمد (ﷺ) اللہ کے نبی ہیں، دلائل کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، کون ان کا مقابلہ کرسکتا ہے!'' (فتح الباری، ج:۷، ص:۱۸۹)

آگے چل کر سراقہ کی طرح بریدہ اسلمی بھی ستر سواروں کے ساتھ آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے، تاکہ قریش سے سو اُونٹ انعام میں حاصل کریں۔ جب آپ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے سوال کیا:

''تم کون ہو؟'' بریدہ نے جواب میں کہا:

''میں بریدہ ہوں۔''

آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے نیک فال لے کر فرمایا:

''اے ابوبکر! ہمارا کام ٹھنڈا اور دُرست ہوا۔'' (کیوں کہ بریدہ، برد سے ہے، جس کا مطلب ٹھنڈک ہے)، پھر آپ ﷺ نے سوال کیا:

''کس قبیلے سے ہو؟'' بریدہ نے جواب دیا:

''میں قبیلہ اسلم سے ہوں۔'' آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''ہم سلامت رہے۔'' پھر فرمایا:

''قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟'' بریدہ نے جواب دیا:

''بنی سہم سے۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''تیرا حصہ نکل آیا۔'' (یعنی تجھے اسلام سے حصہ ملے گا، کیوں کہ سہم کا مطلب حصہ ہے۔) اب بریدہ نے سوال کیا:

''آپ کون ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں محمد، عبداللہ کا بیٹا اور اللہ کا رسول ہوں۔''

بریدہ نے فوراً کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہوگئے اور اس طرح وہ ستر آدمی جو بریدہ کے ساتھ تھے، وہ بھی سب کے سب اسلام لے آئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! مدینے میں داخل ہوتے وقت آپ کے سامنے جھنڈا ہونا چاہیے۔''

آپ ﷺ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزے سے باندھ کر بریدہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، جس وقت آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے چل رہے تھے۔

(زرقانی، ج:۱، ص:۳۴۹)

جب آپ ﷺ مدینے کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تجارت کے قافلے کے ساتھ ملک شام سے واپس آرہے تھے۔ وہ آپ ﷺ سے ملے اور آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سفید لباس پیش کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی دونوں حضرات کو لباس پیش کیا تھا۔

(فتح الباری، ج:۷، ص:۱۸۹)

......(جاری ہے)......

بلاعنوان ۱۶۶

فائزہ رانا مزمل۔ کراچی

''اور سعد! آپ کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟''

وہ بوکھلا کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ اپنے عقب میں کسی کی آواز سنی:

''کھانا!'' یہ صالح تھا۔

''نہیں، کھانا اور سونا'' طارق نے بھی لقمہ دینا ضروری سمجھا۔

''ارے نہیں بھئی، کھانا، سونا اور ہمیشہ رونا...... ہاہاہا......''

عدیل کے اس تبصرے پر پوری جماعت قہقہوں سے گونج اٹھی۔

''ہاں واقعی! اس کے علاوہ میری زندگی کا بھلا کیا مقصد ہے؟''

وہ سر جھکائے اس سوچ میں غوطہ زن تھا۔

......☆......

اس روز مطالعہ پاکستان کے استاد صاحب پاکستان کے اغراض و مقاصد پر لیکچر دیتے دیتے اچانک ہی بچوں سے ان کی زندگیوں کے مقاصد پوچھنے لگے۔

علی فوراً کھڑے ہو کر بولا:

''میں ڈاکٹر بن کر غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گا۔''

اس کے شاہانہ انداز پر دانش پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا:

''انجینئر بننا میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔''

اس کے اس اندازِ بے نیازی پر مشاہد کو بھی جوش آیا۔ بھلا وہ کہاں پیچھے رہنے والا تھا، فوراً بولا:

''میں فوج میں بھرتی ہو کر اپنے ملک و قوم کی بے لوث خدمت کروں گا۔''

سب ہی کچھ نہ کچھ کہتے رہے، سب کی باتوں کو خاموشی سے سنتے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے وہ نجانے کہاں غائب تھا، کھویا ہوا سا تھا کہ سر اُس کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

''اور سعد! آپ کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟''

''کھانا، سونا اور ہمیشہ رونا!''

یہ آوازیں اور قہقہے، جو پوری کلاس میں گونجے، شام تک اس کے اندر بس چکے تھے، ڈرپوک سا سعد!

رس گلے کی مانند جسامت اور اُس پر موٹے چشمے سے نظر آتی اس کی چھوٹی چھوٹی سی آنکھیں اسے مزید بے وقوف اور ڈرپوک ظاہر کرتیں۔

اس روز بھی وہ ہمیشہ کی طرح مذاق بن گیا تھا۔

وہ بہت اداس اداس سا گھر لوٹا۔

''کیا ہوا میرے بھولے بادشاہ!؟''

بابا جان نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ اس کی صورت اور معصوم فطرت کی وجہ سے یہ اس کا پیار کا نام رکھا گیا تھا۔

''بابا آپ کی زندگی کا بھی کوئی مقصد تھا یا ہے؟''

آج اس پر اَچانک یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ یوں ہی، بلاوجہ، بلا مقصد جی رہا ہے۔ بھلا اُس نے کبھی اپنے مستقبل سے متعلق زندگی کا مقصد کیوں نہیں بنایا۔

اپنی اس غفلت پر وہ خود سے نالاں تھا اور اِس انکشاف نے اس کے اندر ایک جستجو پیدا کر دی تھی کہ اب وہ بھی اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور بنائے گا، مگر کیا؟ وہ گہری سوچ میں ڈوب رہا، کچھ سمجھ میں نہ آیا اچانک اس کے ذہن میں اپنے پیارے والدین کا خیال آیا کہ جب وہ چھوٹے تھے تو اُن کی زندگی کا بھی یقیناً کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رہا ہوگا، اس لیے گھر آ کر بابا کے پوچھتے ہی وہ بلاتمہید ہی بات کر بیٹھا۔

''میری زندگی کا مقصد! ہائے کس دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے بیٹا!'' وہ لمحہ بھر کو رُکے اور پھر بولے:

''میرے غریب والدین مجھے پڑھا نہ سکے، شعور نہ تھا تو کوئی مقصد بھی نہ تھا، مگر جب تم میری زندگی میں آئے تو دِل نے زندگی کا مقصد چنا کہ اپنے بیٹے کو بہت سارا پڑھا کر بڑا افسر بناؤں گا، مگر نہ جی! اللہ نے ایک ہی بیٹا دیا، وہ بھی بھولے بادشاہ، جو کبھی وقت پر نہ سوتا ہے نہ اٹھتا ہے، نہ ہی اسکول وقت پر جاتا ہے اور ٹیسٹ میں ہمیشہ بڑا سا صفر لاتا ہے، یہ تو صرف بے وقوفوں کا افسر بن سکتا ہے بس۔ آہ! زندگی کا ہر مقصد پورا نہیں ہوتا بیٹا!''

ابا کی مایوسانہ باتوں پر وہ مزید افسردہ ہو گیا۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 جون 2021 ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

اگلے کئی دنوں تک وہ یہی سوچتا رہا کہ اپنی زندگی کا کیا مقصد بنائے۔ وہ کند ذہن تھا، حافظہ بھی قدرے تیز نہ تھا، ریاضی اور انگریزی وغیرہ میں ایک دم صفر! ایسے میں بھلا وہ ڈاکٹر، انجینئر بننے کا مقصد کیسے چنتا؟

کچھ دن اسی شش و پنج میں گزر گئے، پھر ایک روز وہ فارغ وقت میں عربی کے استاد کے پاس گیا اور مضطربانہ انداز میں اپنا حال گوش گزار کر دیا۔

''برخوردار! آپ کھل کر کہیں، اگر اس طرح ٹوٹے پھوٹے انداز میں بات کریں گے تو میں کیسے سمجھوں گا؟''

سر نا سمجھی سے گویا ہوئے تو وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا:

''سر! سب کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے، مگر مم...... میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں، میں بس یوں ہی جیے جا رہا ہوں، بل کہ میری وجہ سے تو میرے بابا کی زندگی کا مقصد بھی ادھورا رہ گیا ہے۔ میں نہ دیکھنے میں اچھا ہوں نہ پڑھنے میں! افسر کیسے بن کر دکھاؤں بابا کو؟''

چند ثانیے کے توقف کے بعد وہ پھر بولا:

''امی کہتی ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد میری زندگی کو خوب صورت دیکھنا ہے، مگر جس زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں، بھلا وہ خوب صورت کیسے ہو سکتی ہے!؟ سر! آپ بتائیں کہ میں اپنی زندگی کس مقصد کے تحت گزاروں؟''

سعد اِتنا کہہ کر ہراساں سا، سر کے اشارے پر ایک کرسی پر ڈھے گیا۔

''دیکھو بیٹا! سب نے اپنی زندگی کے جو مقاصد بتائے ہیں آپ انھیں مدِ نظر رکھتے ہوئے مجھے بتائیں کہ کیا انسان دنیا میں انھی مقاصد کے لیے بھیجا گیا ہے؟ کیا کسی نے یہ کہا کہ وہ آخرت کمانے کے لیے زندگی گزار رہا ہے؟ کیا کسی نے یہ کہا کہ اس کی زندگی کا مقصد دِین کو اِس جہاں کی وسعتوں میں پھیلانا ہے؟ یا یہ کہ اپنے والدین کی خدمت کرنا یا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرنا اس کی زندگی کا مقصد ہے؟''

سعد کے نفی میں سر ہلانے پر سر پھر کہنے لگے:

''اب غور سے میری بات سننا! آپ نے کہا کہ آپ کی زندگی خوب صورت نہیں۔ میں نے بچپن میں کہیں پڑھا تھا کہ زندگی سے پیار نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے پیار کرو، تمھاری زندگی خود بخود خوب صورت ہو جائے گی۔

دیکھو! ہمارے جینے کا مقصد ڈاکٹر یا انجینئر بننا نہیں، یہ سب تو زندگی گزارنے کا سامان ہے، جب کہ زندگی کا مقصد کچھ اور ہے۔ انسان صرف امتحان کے لیے اس دنیا میں آیا ہے، اس کے اصل گھر کا تعین اس امتحان میں کام یابی یا ناکامی کے بعد ہوگا۔ یہ دنیا ہمارے لیے امتحان گاہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہر کوئی اس بات کو جانتے ہوئے بھی گویا اس سے بے پروا ہے۔

اور ایک اور بہت دل چسپ بات! ہماری زندگیوں کے اصل مقصد، یعنی

آخرت حاصل کرنے سے نہ ہی شکل و صورت کا تعلق ہے، نہ ذات پات کا اور نہ ہی کسی عہدے یا پیشے کا۔

اب آپ اپنی زندگی کا مقصد بھی آخرت کو پانا ہی بنا لیں، جو کہ واقعی انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ والدین کی دن رات خدمت کریں، نیکیاں کریں، بڑوں کا کہا مانیں، اساتذہ کی عزت کریں اور سب سے بڑھ کر اپنے اللہ تعالیٰ، اپنے نبی ﷺ اور اپنے دین سے دل کی گہرائیوں سے محبت کریں۔ زندگی کا اس سے بہترین مقصد نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔''

سر کی تفصیلی گفتگو کو غور سے سنتا ہوا سعد ایک نئے عزم و حوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

پنجاب پبلک لائبریری

رانا محمد شاہد۔ بورے والا

لائبریریاں، علم اور معلومات کے حصوں کے لیے بہترین جگہ ہوتی ہیں، جہاں آنے والے لوگ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آتے ہیں۔ ذہنی تربیت کے حوالے سے لائبریریوں کا کردار نہایت اہم ہے۔ لاہور میں بہت سی لائبریریاں موجود ہیں، تاہم پنجاب پبلک لائبریری اپنی قدامت اور وسعت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ یہ لائبریری نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتی ہے، بل کہ ہمارا قومی ورثہ بھی ہے۔

نواب وزیر خان، مغل بادشاہ شاہ جہاں کا وزیر اور طبیب تھا۔ اس وزیر نے لاہور میں مسجد وزیر خان بھی تعمیر کروائی تھی۔ اس نے ۱۶۳۴ء میں بارہ دری تعمیر کروائی۔ اس بارہ دری میں ایک کتب خانہ قائم ہوا، جو جلد ہی علم دوست لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس وقت یہ کتب خانہ صرف ایک کمرے پر مشتمل تھا اور اس کا نام ”ریڈنگ روم“ تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایک کمرے پر مشتمل یہ ریڈنگ روم آگے چل کر ایشیا کی ایک بڑی لائبریری میں تبدیل ہو جائے گا۔ لوگوں کی دل چسپی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تو یہ جگہ کم پڑنے لگی۔ جس کی وجہ سے وزیر خان بارہ دری کو بھی کتب خانے اور ریڈنگ روم (مطالعہ گاہ) کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۶۳۴ء میں تعمیر ہونے والی بارہ دری آج پنجاب پبلک لائبریری کی شکل میں علم واَدب کا گہوارہ اور ایک قیمتی اثاثہ بن چکی ہے۔

۱۸۸۴ء کے انگریز دور میں اس لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت کے انگریز گورنر نے اپنی ذاتی کتب (جن کی تعداد ۵۷ بتائی جاتی ہے) کا عطیہ دے کر اس لائبریری کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد کچھ سرکاری افسران اور علم دوست حضرات نے کافی مفید اور نایاب کتب لائبریری کو عطیہ کیں۔ یوں اس کی اہمیت میں اضافہ ہونے لگا۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے اور یہ لائبریری علم و ادب کا مرکز بن گئی۔ ۱۸۹۱ء میں لائبریری کی رجسٹریشن مجریہ ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت کی گئی اور اس کا انتظام چلانے کے لیے صوبائی سیکرٹری تعلیم کی سربراہی میں ایک انتظامی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لائبریری کو بہت سے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا اور اِس کا اثر لائبریری سے استفادہ کرنے والے ریسرچ اسکالرز، طالب علموں، عام ممبرز قارئین پر بھی پڑا، تاہم اس کے باوجود لائبریری کا دامن علم و ادب کے متلاشیوں کے لیے وسیع تر ہوتا گیا۔ جس لائبریری نے ۷۵ کتب سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا آج وہاں چار لاکھ سے زائد نادر و نایاب کتب موجود ہیں۔ لائبریری کے بہت سے شعبے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کتب کے الگ شعبے ہیں۔ ایک لاکھ سے زائد کتب ”شعبہ صبح اورینٹل“ میں رکھی گئی ہیں، جن میں پرانے رسائل اور جرائد بھی شامل ہیں۔ اس شعبے کو سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں بہت سی قیمتی اور پرانی کتابیں بھی رکھی گئی ہیں۔

حوالہ جاتی سیکشن کی الگ اہمیت ہے۔ اس میں مختلف انسائیکلو پیڈیاز، گزٹ، ازبکس، اٹلس، نایاب و قیمتی کتب اور پرانے اخبار اور رسائل کے ساتھ ساتھ رپورٹس بھی

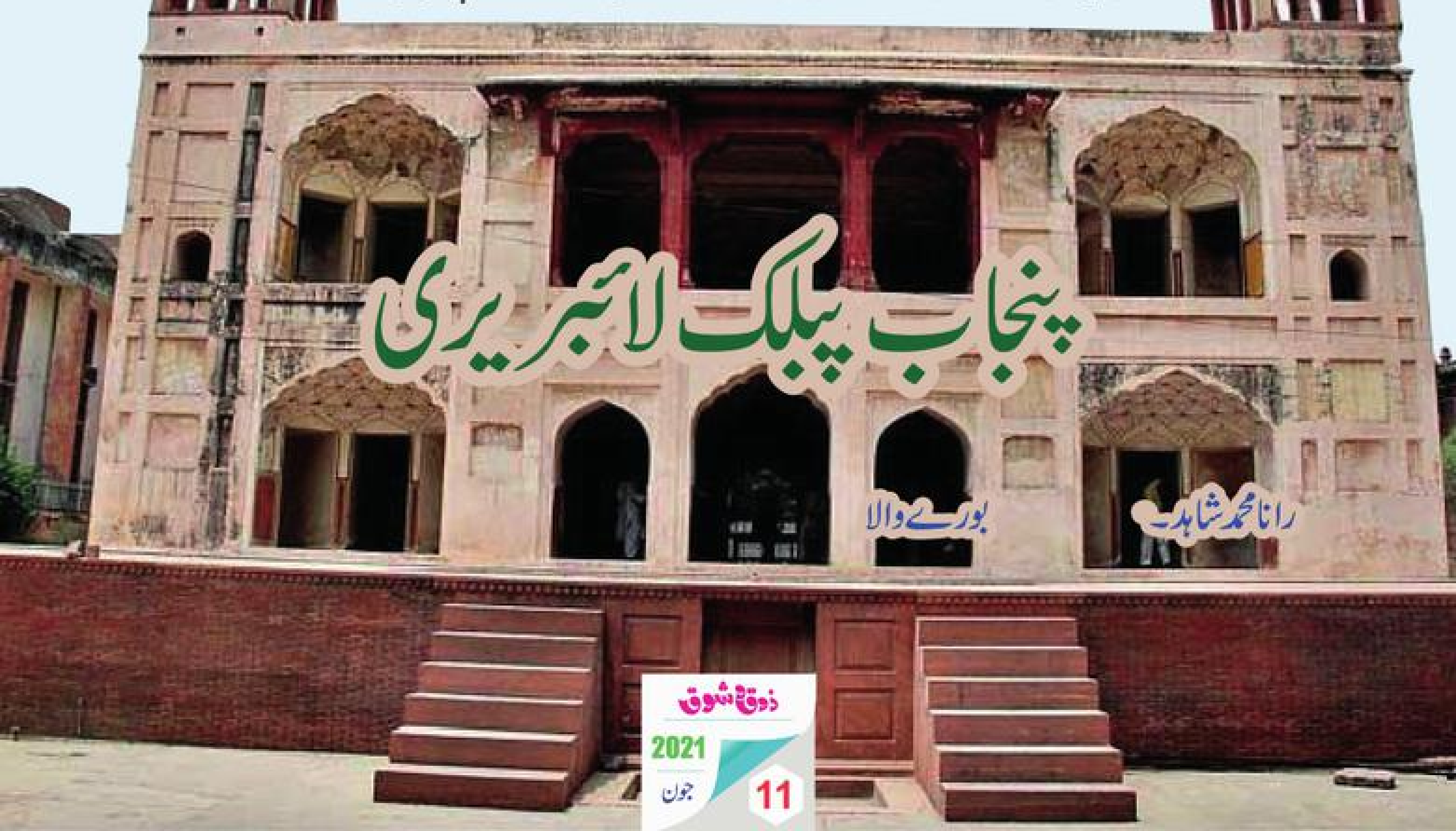

رکھی گئی ہیں۔ لائبریری کا ایک اور اہم شعبہ، شعبۂ اطفال ہے۔ یہ شعبہ ۱۹۸۲ء میں متعارف کرایا گیا۔ اس شعبے میں بچوں کے انسائیکلوپیڈیاز، لغات، سائنس اور مہم جاتی کتابیں، فکشنز، بائیوگرافیز اور تاریخی موضوعات پر ۶ ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ ۶ ہزار سے زائد کتب پر مشتمل اس شعبے سے ۴ سے ۱۴ سال کی عمر تک کے بچے استفادہ کر سکتے ہیں۔

لائبریری میں قرآن پاک کے حوالے سے ایک نہایت مفید اور معلوماتی شعبہ ''بیت القرآن'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ یہ شعبہ ۱۹۶۸ء میں قائم کیا گیا۔ یہاں قرآن پاک کے کافی قیمتی اور نایاب نسخے رکھے گئے ہیں۔ تین ہزار سے زائد نادر نسخے موجود ہیں۔ ان میں سے ۷۰ قلمی نسخے ہیں۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں کا تیار کردہ قرآن پاک کا عکسی نسخہ بھی اس شعبے کی زینت ہے۔ مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر اور ٹیپو سلطان کے ہاتھوں کے لکھے قرآن مجید کے عکسی نسخے بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ سعدی شیرازی کے ہاتھ کا تیار کردہ سب سے بڑا قلمی نسخہ رکھا گیا ہے۔ سلطان ترکیہ (سلطان محمد) کے عہد کا ایک نادر اور اَن مول نسخہ بھی رکھا گیا ہے۔ یہاں ایک ہتھیلی میں سما جانے والا قرآن پاک کا سب سے چھوٹا نسخہ بھی موجود ہے۔ کپڑے پر چھپا ہوا قرآن پاک بھی ہے، جس کی طباعت ۱۸۹۹ء میں کی گئی تھی۔ قرآن پاک کی تفاسیر پر مشتمل خصوصی حصہ بھی ہے، جو تین لاکھ صفحات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں یہاں مصر، ترکی، افغانستان، ایران، لبنان، الجزائر، چین، بھارت اور عرب سے جمع شدہ قرآن حکیم بھی رکھے گئے ہیں۔

لائبریری میں تقریباً ۲۰ ہزار سنسکرت، مراٹھی، ہندی، گورمکھی، بھاشا اور گجراتی زبان پر مشتمل کتب موجود ہیں۔ ۵۰۰ سے زائد کتب معذور افراد کے لیے بھی رکھی گئی ہیں۔

پنجاب پبلک لائبریری کا ایک اور اہم شعبہ کمپیوٹر سیکشن ہے۔ اس کا قیام ۱۹۹۳ء میں عمل میں آیا، جب کہ یہ آپریشنل ۱۹۹۶ء میں ہوا۔ تمام کیٹالاگز کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کے بعد اس حصے کو صرف ۱۰ روپے فی گھنٹا کے حساب سے ممبران کے لیے کھول دیا گیا، جہاں آنے والوں کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ کتابوں کی تفصیل جاننے کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ بھی استعمال کرسکیں۔

ایشیا کی بڑی لائبریریوں میں سے ایک پنجاب پبلک لائبریری کو قائم ہوئے ۱۳۰ سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ حالات بد سے بدتر ہونے کے باوجود لائبریری اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہاں سے روزانہ اوسطاً ۱۳۰۰ افراد کتابیں جاری کراتے ہیں اور سیکڑوں لوگ اخبارات و جرائد کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی طرح تقریباً روزانہ ۵۰۰ سے زائد طالب علم اور ریسرچرز یہاں آتے ہیں۔ اپنے قیام سے لے کر اب تک اس لائبریری نے کئی مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا۔ ایشیا کی بڑی لائبریریوں میں سے ایک ہونے کے باوجود یہ ترقی کی منازل طے نہ کر سکی۔ قومی ورثہ ہونے کے باوجود یہ مناسب فنڈز کی عدمِ دست یابی کی وجہ سے اپنا تشخص برقرار نہ رکھ سکی۔ مناسب فنڈز کی عدمِ دست یابی سے جہاں لائبریری کے اسٹاف کی تنخواہیں ادا کرنا مشکل ہوا، وہیں نئی کتب کی خریداری بالکل ٹھپ ہوگئی۔ یوں کئی سالوں سے نئی اور جدید کتب کی خریداری نہ ہوسکی۔ ملک اور بیرون ملک روزانہ لاکھوں کی تعداد میں کتب شائع ہوتی ہیں۔ قارئین ان نئی اور جدید کتب سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ نئی اور جدید کتب کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے ریسرچ اسکالرز، طالب علم اور عام قارئین مایوسی کا شکار ہیں۔ نایاب اور پرانے اخبارات کی جلد بندی، سرکاری گزٹس اور نایاب اخبارات کی ڈیجیٹلائزیشن، نئی کتب اور رسائل کی خریداری اور دیگر اَخبارات کے لیے لائبریری کو ایک خطیر رقم کی ضرورت ہے، تاکہ نئی اور جدید کتب کی خریداری ممکن ہوسکے۔ یوں محققین اور طلبہ جدید اور نئے علوم کے بارے میں بھی جان سکیں گے۔

پنجاب پبلک لائبریری لاہور کے باقاعدہ ممبران کی تعداد ۴۰ ہزار سے زائد ہے، جب کہ لائف ممبران کی تعداد ۳ ہزار ہے۔ سیکورٹی فیس ۳۰۰ روپے، جب کہ سالانہ فیس ۷۵ روپے ہے۔ طالب علموں کے لیے اسٹوڈنٹ ممبر شپ فیس ۱۰۰ روپے ہے۔ مناسب فیس ہونے کی وجہ سے ہر مکتبہ فکر کے لوگ بآسانی لائبریری کے ممبر بن سکتے ہیں۔ لاہور شہر کے بالکل وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے اس لائبریری کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ لائبریری کے اردگرد کئی اسکولز، کالجز اور یونی ورسٹیاں موجود ہیں، جس کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے اپنی علمی و اَدبی پیاس بجھانے کے لیے پنجاب پبلک لائبریری کو ایک بڑا سہارا سمجھتے ہیں۔

پنجاب پبلک لائبریری میں ۱۹۳۹ء میں دو بلاکس اور ۱۹۹۲ء میں ایک نئے بلاک کا اضافہ کیا گیا۔ پنجاب پبلک لائبریری میں سرکاری دستاویزات اور انگریز دور کا قیمتی سرکاری ریکارڈ بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ نایاب اور قیمتی رپورٹس، مخطوطات اور دیگر ملکی و تاریخی ریکارڈ بھی موجود ہے۔

۱۳۲ سالہ قدیم یہ کتب خانہ مزید توسیع کا متقاضی ہے۔ ایشیا کی بڑی لائبریریوں میں شمار ہونے کے باوجود یہ عوامی لائبریری ترقی کے منازل طے نہیں کر پا رہی، اس کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف یہاں نئے بلاکس تعمیر کیے جائیں، بل کہ جدید کتب کی خریداری کو بھی ممکن بنایا جائے اور جدید سہولیات بھی فراہم کی جائیں، تاکہ تشنگان علم و ادب یہاں آکر علمی و ادبی آسودگی پاسکیں۔

گرمیاں

ارسلان اللہ خان ۔ حیدر آباد

آ گئی ہیں پھر سے دیکھو گرمیاں
آؤ کم کر دیں سبھی سرگرمیاں

دو سے لے کر پانچ تک جو وقت ہے
وقت یہ گرمی کا بے حد سخت ہے

دھوپ میں پھرنے سے کرنا احتراز
گھر سے باہر جیب میں رکھنا پیاز

غسل صبح و شام روزانہ کریں
اور پانی آپ کثرت سے پییں

دیکھ کر گرمی کو ، ''لو'' کو بھانپ کر
سر کو اپنے خوب نکلو ڈھانپ کر

دودھ کی یخ بوتلیں ، لسی پیو
''لو'' کے حملے سے بھی تم بچتے رہو

کھاؤ پھل اور سبزیاں بھی خوب تم
ساتھ میں پیتے رہو مشروب تم

ارسلاںؔ آؤ کریں رب سے دعا
اے خدا! گرمی سے ہم کو تُو بچا

شکر

بنت محمد جاوید۔نواب شاہ

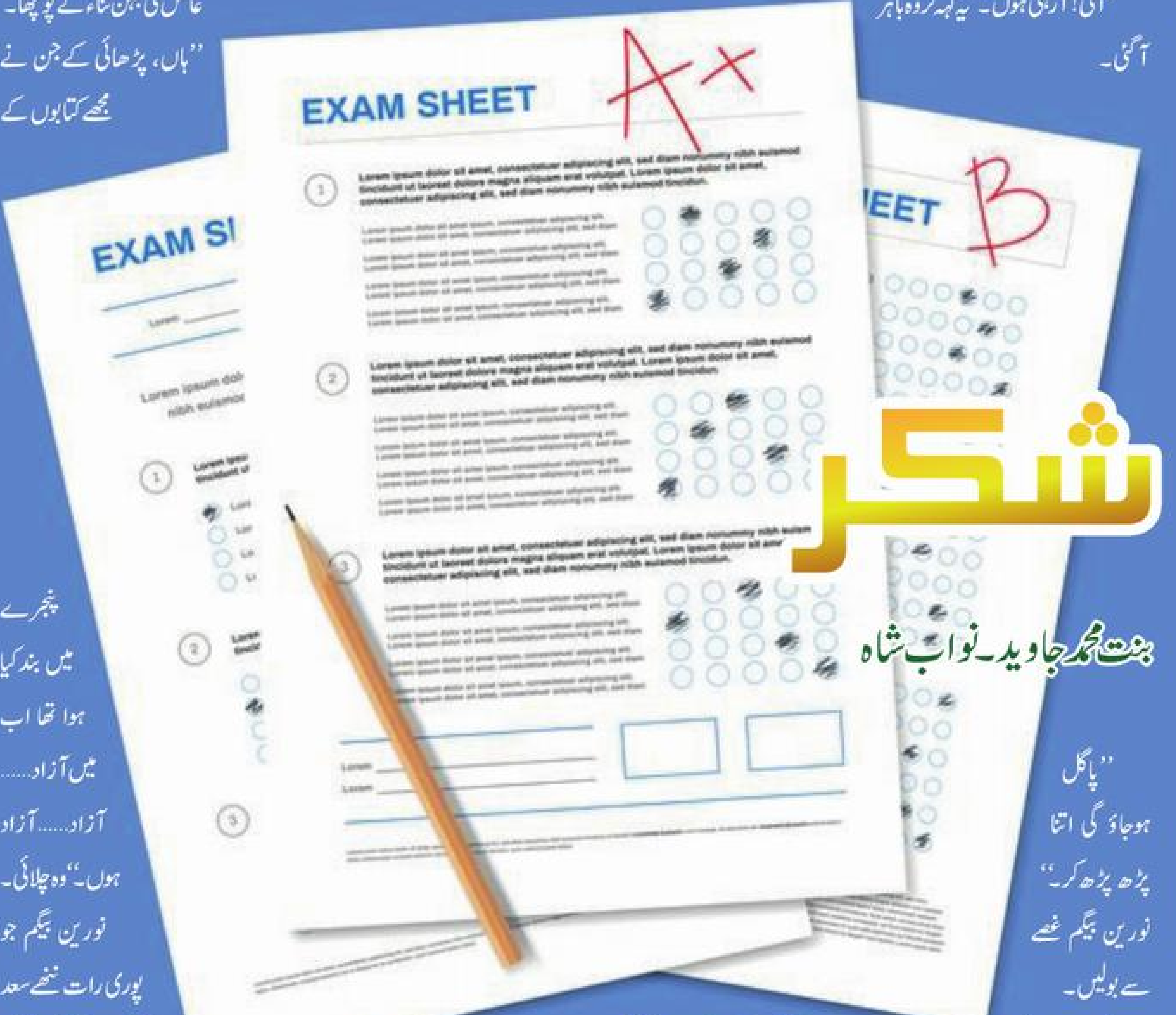

عائش کے پرچے چل رہے تھے۔ دن رات ایک کیا ہوا تھا۔ کھانے کا بھی ہوش کم ہی تھا۔ ایک دھن سوار تھی کہ تیاری مکمل ہوجائے۔

''عائش بی بی! کھانا کب سے انتظار کر رہا ہے، کمرے سے باہر تشریف لے آیئے۔'' نورین بیگم نے غصے سے زور سے کہا۔

''امی! آرہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر آگئی۔

عائش کا آج آخری پرچہ تھا۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی اس نے زور سے نعرہ لگایا:

''آج ہم آزاد ہوگئے۔''

''کیوں؟ اس سے پہلے کیا قید تھیں؟''

عائش کی بہن ثناء نے پوچھا۔

''ہاں، پڑھائی کے جن نے مجھے کتابوں کے پنجرے میں بند کیا ہوا تھا اب میں آزاد...... آزاد......آزاد ہوں۔'' وہ چلائی۔

نورین بیگم جو پوری رات ننھے سعد کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے سونہ سکی تھیں اور صبح بھی کام کی وجہ سے لیٹ نہ سکی تھیں، بولیں:

''عائش! چپ ہوجاؤ، ورنہ میرے ہاتھوں سے پٹ جاؤ گی۔''

''سنو تو ہمارے گھر میں ظلم و جبر کی کہانیاں!'' اس نے نظم کے مصرعے کو تبدیل کر کے کہا۔

''پاگل ہوجاؤ گی اتنا پڑھ پڑھ کر۔'' نورین بیگم غصے سے بولیں۔

''میرے خیال میں آج تک میں نے کوئی پڑھا لکھا پاگل نہیں دیکھا۔ ہاں، اَن پڑھ پاگل گلیوں میں بہت گھومتے ہیں۔'' عائش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نورین بیگم چپ ہوگئیں۔ انھیں پتا تھا کہ عائش سے مغز ماری کرنا اپنا ہی دماغ خالی کرنا ہے۔

......☆......

نورین بیگم نے چپل اٹھائی اور عائش فوراً واش روم میں جا گھسی۔

☆......

عائش آج بہت ہی فکر مند تھی۔ پریشانی کی وجہ سے اس کی پیشانی پر بار بار قطرے نمودار ہو رہے تھے، کیوں کہ آج چھٹی جماعت کا نتیجہ آنا تھا۔

عائش رزلٹ کارڈ اور ٹرافی لے کر گھر میں داخل ہوئی۔

''ہرّے...... ہرّے...... ہرّے...... بچو! سب مل کر کہو، مبارکاں...... مبارکاں!'' وہ چلائی۔

نورین بیگم دروازہ کھولتے ہی اس نئی افتاد سے گھبرا گئیں، لیکن عائش کے ہاتھ میں ٹرافی دیکھ کر چپ رہیں۔

''امی! بابا جانی کب آئیں گے؟ مٹھائی منگوائیں، مجھے کھلائیں۔'' وہ چلتی ٹرین کی طرح بولی۔

''سب بچے ڈوری لائیں، اس میں چپل ڈالیں اور خوشی کے اس موقع پر عائش کے گلے میں ڈال دیں۔'' ثناء نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

عائش پورے گھر میں خوب اُچھل کود کرنے لگی۔

''عائش! یہ کون سا طریقہ ہے خوشی کے اظہار کا؟'' نورین بیگم نے پوچھا۔

''امی! آپ ہمیں خوشی کا مکمل اظہار بھی نہیں کرنے دیتیں۔''

عائش نے منہ پھلایا۔ اسی اثنا میں بابا گھر میں داخل ہوئے اور عائش اپنا انعام لینے کے لیے دوڑ پڑی۔

☆......

عائش کب سے پیچھے لگی ہوئی تھی کہ مجھے نیا اسکول بیگ چاہیے۔

نورین بیگم کہہ رہی تھیں کہ ''نیا سال شروع ہونے پر ہی نیا بستہ ملے گا۔''

عائش بابا جانی کے کب سے پیچھے لگی ہوئی تھی، مگر وہاں سے بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہیں مل رہا تھا۔

دو مہینے وہ اسی بات کا تکرار کرتی رہی۔ اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔

''عائش! اب چھوڑ بھی دو ضد۔''

امی جھنجھلا کر کہتیں، مگر وہ ضد کی پکی تھی۔

اسید صاحب کا لاہور جانا ہوا تو وہ وہاں سے عائش کے لیے کا بستہ لے آئے۔ رات کو وہ دیر سے گھر پہنچے۔ بچے سو چکے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد نورین بیگم نے عائش کو اُس کا بستہ دکھایا تو وہ اُچھل پڑی اور خوشی کے مارے زور زور سے آوازیں نکالیں۔

عائش کی خالہ سلمیٰ جو چند دِن کے لیے ان کے یہاں رہنے کے لیے آئی ہوئی تھیں، یہ صورتِ حال دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں۔ نورین بیگم نے انھیں عائش کی عادت کے بارے میں بتایا۔

''عائش! اِدھر آؤ۔'' سلمیٰ خالہ نے عائش کو بلایا۔

''جی خالہ جانی!'' یہ کہہ کر وہ خالہ کے پاس بیٹھ گئی۔

''عائش! ہم مسلمان ہیں یا نہیں؟'' انھوں نے مبہم سوال کیا۔

''بالکل! ہم مسلمان ہیں۔ اس میں کوئی شک!؟'' وہ سوال پر حیران رہ گئی۔

''ہمیں جو خوشیاں اور کامیابیاں وغیرہ ملتی ہیں وہ کون دیتا ہے؟'' خالہ نے پوچھا۔

''اللہ تعالیٰ۔'' عائش نے جواباً کہا۔

''اگر وہ چاہے تو اِن خوشیوں کو تکلیفوں میں اور کامیابیوں کو ناکامی میں بدل سکتا ہے یا نہیں؟'' خالہ نے استفسار کیا۔

''بالکل، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔

''پھر آپ جب کو کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں یا نعمتیں آپ کو ملتی ہیں تو اُس کا شکر ادا کرنے کے بجائے، اسے خوش کرنے کے بجائے، ہلا گلہ کیوں کرتی ہیں۔ یہ ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

''اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمھیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔'' (سورہ ابراہیم)

اس لیے ہمیں چاہیے کہ جب بھی کوئی کامیابی ملے ہم دو نفل شکرانے کے ادا کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں گے اور ہمیں اور زیادہ خوشیاں ملیں گی۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیاوی کامیابی کی خوشی میں آخرت کی کامیابی کو برباد کر دیں۔'' خالہ یہ کہہ کر خاموش ہوئیں۔

''خالہ جانی! مجھے اپنی روش پر افسوس ہے۔ آئندہ میں ضرور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی۔'' عائش نے وعدہ کیا۔

عائش کی بات سن کر امی نے اسے گلے لگا لیا۔

نقشہ

حافظ محمد اشرف۔ حاصل پور

''ٹھیک چھے ماہ میں یہ کوٹھی تیار ہو جانی چاہیے۔''

سیٹھ اقبال نے اپنے سامنے بیٹھے مستری تیمور کے آگے ''نقشہ'' رکھتے ہوئے کہا۔

''چھے ماہ میں تو مشکل ہے۔''

مستری تیمور نے نقشہ دیکھ کر کہا۔

''مگر کیوں!؟'' سیٹھ اقبال نے تعجب سے پوچھا۔

''دیکھیے سیٹھ صاحب! آپ صرف اس نقشے کو دیکھ کر اندازہ نہ لگائیں۔ آپ اس نقشے میں بنی کوٹھی کی عمارت کا کام دیکھیں اور غور کریں کہ کتنی محنت والا کام ہے۔ میرے اندازے کے مطابق چھے ماہ کم ہیں اور اس مدت میں یہ کوٹھی تیار نہیں ہو سکتی۔''

''مستری تیمور نے اصل حقیقت بتائی۔

''دیکھو، میں نے جب انجینئر اکرم صاحب سے نقشہ تیار کروایا تھا تو اُنھیں پہلے ہی درخواست کر دی تھی کہ نقشہ اس طرح بنانا ہے کہ عمارت چھے ماہ میں تیار ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ انھوں نے چھے ماہ کی مدت میں ہی تیار ہونے کا نقشہ بنایا ہے اور تم مدت زیادہ بتلا رہے ہو۔''

سیٹھ اقبال نے اپنی بات پر اَڑتے ہوئے کہا۔

''لیکن سیٹھ صاحب! وہ صرف نقشہ بنا کر دینے والے ہیں اور ہمیں تو اِس نقشے کو حقیقت کے روپ میں ڈھالنا ہے، آخر اِس میں کچھ وقت تو لگے گا ہی، اور پھر جب ایسے کام کو شروع کیا جائے تو ایک کام میں دوسرا کام نکل آتا ہے، اس لیے میرے خیال کے مطابق اس عمارت کو تیار کرنے میں تقریباً آٹھ ماہ لگ جائیں گے۔''

سیٹھ اقبال صاحب مستری تیمور کی بات سن کر پریشان ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی یہ کوٹھی چھے ماہ میں تیار ہو جائے اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ چھے ماہ بعد اُنھوں نے اپنی ایک فیکٹری کا افتتاح کرنا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ فیکٹری اور کوٹھی، دونوں کا آغاز ایک ساتھ ہو۔ فیکٹری تیار تھی۔ کوٹھی کی تیاری کے بعد اپنے سب دوستوں کو سیٹھ اقبال صاحب اسی کوٹھی میں ایک شان دار پارٹی دینا چاہتے تھے۔ چھے ماہ کی جگہ آٹھ ماہ کی مدت ہونے پر وہ پریشان ہو گئے تھے، کیوں کہ پارٹی کا انتظام

وہ اسی کوٹھی میں ہی کرنا چاہتے تھے، اس لیے اسے چھے چھ ماہ میں تیار ہونا ضروری تھا، مگر بالآخر مجبوراً سیٹھ اقبال صاحب کو مستری تیمور کی بات ماننی پڑی۔

مستری تیمور نے جلدی سے اپنے مزدور مقرر کر کے اس کوٹھی کی عمارت کا کام شروع کر دیا۔ سیٹھ اقبال وقتاً فوقتاً اس عمارت کا چکر لگاتے رہتے اور مستری تیمور سے کسی ضرورت والی چیز کا بھی پوچھ لیتے۔ یوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیٹھ اقبال کی کوٹھی بھی تیار ہوتی رہی۔

چار ماہ میں آدھی کوٹھی نقشے کے مطابق تیار ہو چکی تھی کہ اچانک سیٹھ اقبال صاحب اپنی فیکٹری کے کسی ضروری کام کے سلسلے میں انگلینڈ چلے گئے اور مستری تیمور کو جاتے ہوئے ایک عدد چیک پر دستخط کر کے بھی دے گئے کہ شاید کبھی رقم کی ضرورت پڑ جائے اور ساتھ ہی تاکید بھی کر دی کہ باقی چار ماہ کا کام رہ گیا ہے اور میری واپسی بھی چار ماہ تک ہی ہوگی، لہٰذا میری واپسی تک یہ کام مکمل ہو جانا چاہیے، میں آنے سے پہلے آپ کو مطلع بھی کر دوں گا۔

مستری تیمور، سیٹھ اقبال کی اس اچانک تیاری پر حیران ہو رہے تھے، مگر اُنھوں نے سیٹھ اقبال سے وجہ پوچھنے کی زحمت نہ کی اور اُن کی تاکید کے مطابق اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ٹھیک چار ماہ بعد آج سیٹھ اقبال صاحب پاکستان واپس آ رہے تھے۔ مستری تیمور کو بھی شدت سے ان کا انتظار تھا، کیوں کہ وہ بھی اپنا کام مکمل کر چکے تھے اور کوٹھی کی عمارت مکمل ہو چکی تھی۔

مستری تیمور صاحب اسی کوٹھی میں ہی بیٹھے تھے اور ہاتھ میں اس کوٹھی کا نقشہ بھی تھا کہ اچانک سیٹھ اقبال کا ایک ملازم بہت تیزی سے اندر داخل ہوا اور اُس نے کہا:

''وہ...... سیٹھ اقبال صاحب...... کا...... ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

اس کے منہ سے الفاظ اٹک اٹک کر نکل رہے تھے۔ یہ خبر سُن کر مستری تیمور کے چہرے کا رنگ فوراً بدل گیا۔

''ہیں! مگر وہ کیسے؟'' مستری تیمور نے بے تابی سے پوچھا۔

وہ سیٹھ اقبال صاحب پاکستان تو خیریت سے پہنچ گئے تھے، مگر ایئر پورٹ سے آتے ہوئے راستے میں ان کی گاڑی اچانک ایک ٹرالے سے جا ٹکرائی، جو غلط سمت سے آ رہا تھا۔ سیٹھ اقبال صاحب اپنے ملازم سمیت وہیں موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔''

مستری تیمور اُسی وقت سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور اپنے سامنے پڑے ہوئے اس کوٹھی کے نقشے کو درد بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ انھیں اس نقشے کے اندر سیٹھ اقبال کی زندگی کا نقشہ نظر آنے لگا، جو اس کوٹھی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔

مستری تیمور سوچنے لگے کہ انسان اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے نہ جانے کیا کیا مستقبل کے خواب دیکھتا اور بناتا ہے، جب کہ زمانہ حال کا بھی اسے کچھ پتا نہیں ہوتا، اور مستقبل کے خواب پورے ہونے سے پہلے ہی زمانہ حال میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور اُس کے سارے خواب دھرے کے دھرے ہی رہ جاتے ہیں۔

مستری تیمور کی آنکھوں سے نکلے دو آنسو سامنے پڑے ہوئے اس کوٹھی کے نقشے پر گر گئے اور تیمور صاحب نے کوٹھی کے اس نقشے کو ہمیشہ کے لیے لپیٹ دیا، سیٹھ اقبال کی زندگی کے نقشے کی طرح۔

سوال آدھا جواب آدھا (۲۱)

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰، جون تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱. قرآن مجید میں ''غزوۂ بدر'' کا (نام کے ساتھ) ذِکر سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۲۳ میں آیا ہے...... آپ یہ بتایئے کہ ''غزوۂ حنین'' کا (نام کے ساتھ) ذِکر قرآن مجید کی کس سورت میں آیا ہے؟
۲. مسلمان قرآن کی رُو سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''ذبیح اللہ'' تسلیم کرتے ہیں...... بتایئے یہودی کون سے نبی علیہ السلام کو ''ذبیح اللہ'' کہتے ہیں؟
۳. اُمُّ المومنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا (اصل نام: رملہ) کے والد محترم کا نام حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھا...... بتایئے اُمُّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم کا کیا نام تھا؟
۴. ''جنگ قادسیہ'' (14 ہجری۔ 635ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو عبرت ناک شکست دی تھی...... بتایئے مسلمانوں نے رومیوں کو کس جنگ میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تھا؟
۵. ''خطباتِ مدراس'' سید سلیمان ندوی کے خطبات کا مجموعہ ہے...... بتایئے ''خطباتِ احمدیہ'' کس کے خطبات کا مجموعہ ہے؟
۶. اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک ہر سال یکم مئی کو ''محنت کشوں کا عالمی دن'' مناتے ہیں...... بتایئے دنیا میں ہر سال ''ادیبوں کا عالمی دن'' کس تاریخ کو منایا جاتا ہے؟
۷. ''حبشہ'' ایتھوپیا کا قدیم نام تھا، (جب کہ اہلِ یورپ نے اس ملک کو ''ایبے سینا'' کا نام دیا تھا)...... بتایئے ماضی میں کس ملک کو ''مسیو پوٹیمیا'' کہا جاتا تھا؟
۸. برونائی دارالسلام کی پارلیمنٹ کو ''مجلس مشاورت نگاری'' کہتے ہیں...... بتایئے انڈونیشیا کی پارلیمنٹ کیا کہلاتی ہے؟
۹. مصر کے شہر قاہرہ کو ''بازاروں کا شہر'' کہا جاتا ہے...... بتایئے ''کالجوں کا شہر'' پاکستان کا کون سا شہر کہلاتا ہے؟
۱۰. ''کمر توڑنا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''مخالف کی ہمت توڑ دینا''...... آپ یہ بتایئے کہ ''کمر باندھنا'' کا کیا مطلب ہے؟

جھوٹوں کے جھوٹے ۱۷

۵۔ مختار ثقفی

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے۔ ان تمام نبیوں کا دُنیا میں آنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ دنیا میں رہنے والے تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات کے بارے میں بتانا، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان احکامات پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوجائیں۔ ان ہی نبیوں میں سے سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کردیا ہے۔ اب کسی کو اللہ میاں نبی نہیں بنائیں گے۔

حضرت محمد ﷺ، اللہ تبارک و تعالیٰ کے آخری نبی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی محبوب نبی بھی ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے لاڈلے نبی حضرت محمد ﷺ کے لاڈلے نواسے تھے۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے کوفہ نامی شہر سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھے۔ ان خطوط میں انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھا:

’’براہِ کرم آپ کوفہ تشریف لائیں، ہم آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، تاکہ ہمارا نظامِ زندگی بہتر ہوسکے۔‘‘

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بار بار خط لکھنے پر حالات معلوم کرنے اور اُن لوگوں کی مدد کرنے کے لیے نکلے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ کوفہ والوں نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے پیارے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے مقام پر شہید کردیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفے کے کچھ لوگوں کو نہایت شرمندگی محسوس ہوئی۔ انھوں نے سوچا:

’’ہم نے خاتم الانبیاء ﷺ کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط بھیج کر بلوایا اور جب راستے میں ان پر حملہ کیا گیا تو ہم نے ان کی مدد نہیں کی، یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔‘‘

ان لوگوں نے اپنی غلطی کے تدارک کے لیے ایک خفیہ اجلاس بلوایا۔ وہ لوگ اس خفیہ اجلاس میں شرکت کے لیے سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے۔ ان کے درمیان بات چیت ہوئی، سب لوگوں نے اپنی غلطی قبول کرنے کے بعد مل کر یہ فیصلہ کیا:

’’ہمیں نواسہ رسول ﷺ، یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والوں سے بدلہ لینا چاہیے۔‘‘

’’بہت اچھی بات ہے۔‘‘

اس فیصلے کو تمام لوگوں نے دل وجان سے قبول کیا اور سلیمان بن صرد خزاعی کو اپنا سردار بنالیا۔

سردار بن کر سلیمان بن صرد خزاعی نے وہاں موجود لوگوں سے سردار کی حیثیت سے اپنا پہلا خطاب کیا۔ دورانِ خطاب میں اس نے وہاں موجود لوگوں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

’’آپ لوگ اپنے اس ارادے پر قائم رہیں اور اپنے اس ارادے کا اظہار کسی سے نہ کریں، بل کہ اور لوگوں کو بھی آہستہ آہستہ اپنے ساتھ ملا کر اس بات پر راضی کریں۔ جب ہمیں موقع ملے گا تو ہم مل کر نکلیں گے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے۔‘‘

سلیمان بن صرد خزاعی کی تقریر کے بعد یہ اجلاس ختم ہوگیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ لوگ خفیہ طور پر دوسرے لوگوں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے لگے، اس طرح ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

چوں کہ یہ لوگ خفیہ طور پر حضرت حسین ؓ کا بدلہ لینے کی تیاری کر رہے تھے، اس لیے ان کی باتیں کوفہ میں ہی نہیں، بل کہ دیگر شہروں میں بھی رفتہ رفتہ پھیل رہی تھیں، مگر رازداری کے باعث زیادہ لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا۔

یہ زمانہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی خلافت کا تھا۔ انھوں نے اپنا دارالخلافہ، مکہ معظمہ کو بنایا تھا۔ لوگ مختلف علاقہ جات سے ان کے پاس آتے اور ملاقات میں اپنے علاقے کے حالات و واقعات ان سے بیان کرتے۔ جو لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے ملاقات کے لیے آتے ان سے ایک شخص مختار بن عبید بن ثقفی بھی ملاقات کرتا اور اُن کے علاقوں کے حالات دریافت کرتا۔ یہ شخص مشہور جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبید ثقفی ؓ کا بیٹا تھا۔ مختار ایک مکار اور چالاک شخص تھا۔ اسے حکومت کرنے کا بہت شوق تھا، مگر اُس کے پاس کوئی حکومتی عہدہ نہیں تھا۔ وہ کوئی عہدہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں سے سن گن لیتا رہتا، تا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے اور اُس سے فائدہ اٹھا کر وہ حکومت میں اپنی جگہ بنا سکے۔

ایک روز اُس کی ملاقات کوفہ سے آنے والے ایک شخص سے ہوئی۔

''کیوں بھائی! کوفہ کے کیا حالات ہیں؟'' مختار ثقفی نے خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا۔

اس شخص نے جواب دیا:

''ویسے تو کوفے کے لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو ہی اپنا حکمران مانتے ہیں، لیکن ان میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ اگر کوئی شخص انھیں ہوشیاری سے کسی بات پر اِکھٹا کرے تو وہ شخص تھوڑے سے عرصے میں روئے زمین کو فتح کر سکتا ہے۔''

مختار کو اِتنے عرصے سے جس بات کی تلاش تھی وہ اسے مل گئی تھی۔ اس نے خود سے کہا:

''خدا کی قسم! میں اس کام کے لیے بالکل صحیح آدمی ہوں۔ میں ان لوگوں کے ذریعے جھوٹے لوگوں کو شکست دوں گا اور ہر نافرمان کو سیدھا کر دوں گا۔''

یہ کہہ کر اُس نے تیاری کی اور کوفہ چلا گیا۔ کوفہ پہنچ کر اُس نے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور اُس کے علم میں یہ بات آئی کہ یہ لوگ حضرت حسین ؓ کی شہادت کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

اس کے دل میں شروع ہی سے منصب کی خواہش تھی، اس نے جب یہ بات سنی تو سوچنے لگا:

''میری زندگی کا مقصد ہے کہ اب میں حضرت حسین ؓ کو شہید کرنے والوں سے بدلہ لوں گا اور اُن سب کو قتل کروں گا۔''

لیکن حقیقت میں وہ اہل بیت سے نفرت کرتا تھا۔ اس کا مقصد تو حاکم اور بادشاہ بننا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت حسین ؓ کی شہادت میں شریک لوگوں کو قتل کرنے کے لیے ایک جماعت تیار کرے اور خود اُس جماعت کا سربراہ بن جائے۔

مختار ثقفی کی اہل بیت سے نفرت کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب خلیفہ چہارم حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد اُن کے بڑے بیٹے حضرت حسن ؓ خلیفہ بنے تو اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''میں جس سے جنگ کروں گا تم لوگ بھی اس سے جنگ کرو گے اور میں جس سے دوستی کروں گا تم بھی اس سے دوستی کرو گے۔''

اس وقت حضرت امیر معاویہ ؓ ملک شام کے امیر تھے۔ ان کے اور دیگر مسلمان حکومتوں کے درمیان تعلقات خراب تھے۔ حضرت حسن ؓ مسلمانوں کے درمیان اس نفرت کو مٹانا چاہتے تھے، اسی لیے انھوں نے اپنے ساتھیوں سے یہ وعدہ لیا تھا۔

''ہم لوگ آپ کے فیصلے کو بخوشی قبول کرتے ہیں، ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے۔''

اس وعدے پر کچھ لوگوں نے تو رضامندی ظاہر کی، مگر کچھ لوگ حضرت حسن ؓ کے خلاف ہوگئے اور اُنھیں شہید کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں حضرت حسن ؓ زخمی ہوگئے، مگر اُن کی جان بچ گئی۔ اس حملے کے بعد حضرت حسن ؓ مدائن چلے گئے۔

ان دنوں حضرت ابوعبید بن مسعود ثقفی ؓ کے بھائی سعد بن مسعود ثقفی ؓ مدائن کے حاکم تھے اور اِتفاق سے مختار ثقفی بھی مدائن میں

ہی موجود تھا۔ اس نے حضرت حسن ؓ کو دیکھا تو ایک روز اپنے حاکم چچا سے ملنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا۔ رسمی سلام دعا کے بعد مختار ثقفی اپنے چچا سعد بن مسعود ثقفی ؓ سے رازدانہ انداز میں کہنے لگا:

''چچا جان! اگر آپ اپنے حکومتی عہدے میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ایک آسان سی ترکیب بتاؤں؟''

مختار ثقفی کی بات سن کر سعد بن مسعود ثقفی ؓ کے کان کھڑے ہو گئے، انھوں نے انسانی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھا:

''وہ کیا ہے؟''

مختار ثقفی نے جواب دیا:

''(حضرت) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) اس وقت تنہا اور اکیلے ہیں، مدائن میں موجود ہیں، انھیں گرفتار کر کے معاویہ (ؓ) کے پاس بھیج دیجیے۔''

حضرت سعد بن مسعود ثقفی ؓ نے جیسے ہی اپنے بھتیجے کی یہ بے ہودہ بات سنی وہ فوراً غصے میں آ گئے اور مختار کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

''تم پر اللہ کی لعنت ہو! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں (خاتم النبیین) محمد ﷺ کے بیٹے پر حملہ کردوں اور انھیں گرفتار کرلوں؟''

مختار ثقفی نے اپنے چچا جان کا غصے سے بھرا جواب سن کر اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ کہا۔

حضرت سعد بن مسعود ؓ نے اس کی خاموشی دیکھ کر فرمایا:

''اللہ کی قسم! تم بہت ہی برے آدمی ہو۔''

اس کے بعد حضرت حسن ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ میں دوستی ہو گئی اور مسلمانوں کی آپس میں موجود رنجش ختم ہو گئی۔

بہر حال، کوفہ آ کر مختار ثقفی حالات کا جائزہ تو لے ہی چکا تھا، اس لیے اس نے اب یہ کیا کہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈنا شروع کیا جو شہادتِ حسین ؓ کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

ایک روز مختار ثقفی نے ایسے تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اُن سے کہنے لگا:

''ہمیں حضرت حسین ؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہیے اور اس کے لیے مجھے آپ لوگوں کی مدد چاہیے۔''

لوگ اس کی بات سن کر حیران ہوئے کہ یہ انجان شخص کیا کہہ رہا ہے، لیکن پھر کسی نے مجمع میں سے جواب دیا:

''ہم تو پہلے ہی اس کام کے لیے سلیمان بن صرد کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، لیکن سلیمان بن صرد کا کہنا ہے کہ ابھی اس کام کے لیے مناسب موقع نہیں آیا ہے، جب وقت آئے گا ہم نکل کھڑے ہوں گے۔''

مختار ثقفی نے اس کا جواب سن کر جھوٹ گھڑا:

''سلیمان ایک پست ہمت آدمی ہے، وہ لڑائی سے جی چراتا ہے۔ مجھے محمد بن الحنفیہ (حضرت حسین ؓ کے بھائی) نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو اور حضرت حسین ؓ کی شہادت کا بدلہ میرے ساتھ مل کر اُن کے قاتلوں سے لو۔''

محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نائب مقرر ہونے والی بات سن کر وہ لوگ تیار ہو گئے اور مختار ثقفی کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔

چوں کہ مختار نے یہ بیعت ایک مجمع میں لی تھی، اس لیے یہ خبر عبداللہ بن یزید تک بھی پہنچ گئی۔ وہ عبداللہ بن زبیر ؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر مقرر تھے۔ انھوں نے یہ خبر سُن کر اعلان کیا:

''اگر مختار اور اُس کے ساتھی حضرت حسین ؓ کی شہادت کا بدلہ لینا چاہتے ہیں تو اس کام میں ہم بھی ان کی مدد کریں گے، لیکن اگر وہ کوئی کارروائی حکومت کے خلاف کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کا مقابلہ کر کے انھیں سزا دیں گے۔''

اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ سلیمان بن صرد اور اُس کے ساتھیوں نے اعلانیہ ہتھیار خریدنے شروع کر دیے، جب کہ مختار ثقفی اپنی علاحدہ جماعت تیار کرتا رہا۔

دونوں جماعتوں کا مقصد بظاہر ایک ہی تھا، اس لیے دونوں جماعتوں کو مل جل کر کام کرنا چاہیے تھا، لہٰذا کچھ معزز لوگوں نے مختار سے ملاقات کی اور ساتھ مل کر کام کرنے کی بات بھی کی کہ ہمارا مقصد ایک ہی ہے، ہمیں مل جل کر کام کرنا چاہیے۔

لیکن مختار نے اتحاد کرنا گوارا نہیں کیا اور جواب دیا:

''میں اتحاد کے حق میں نہیں ہوں۔''

مختار کا جواب سن کر اُن معزز لوگوں نے محسوس کیا کہ مختار ثقفی کا ارادہ کچھ اور ہے، وہ دکھاتا کچھ اور ہے اور کرنا کچھ اور چاہتا ہے، اس لیے انھوں نے مختار کی شکایت کوفہ کے گورنر عبداللہ بن یزید سے کی اور اُنھیں بتایا:

''مختار کے ارادے درست معلوم نہیں ہوتے۔ ہم نے اس سے خونِ

حسین (رضی اللہ عنہ) کا بدلہ لینے کے لیے اتحاد کی بات کی تو اُس نے اتحاد نہیں کیا۔''

عبداللہ بن یزید چوں کہ پہلے ہی اعلان کر چکے تھے کہ حکومت کے خلاف کسی بھی عمل کی سزا دی جائے گی، اس لیے انھوں نے ان لوگوں کی شکایت پر بغاوت کو شروع ہونے سے پہلے ہی کچلنے کے لیے مختار کو پکڑ کر قید کر دیا۔

مختار ثقفی کو قید کروانے کے بعد یہ لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے سلیمان بن صرد کی سربراہی میں کوفہ سے نکل کر شام کی طرف بڑھے۔

اس لشکر کی شام کی طرف پیش قدمی کو دیکھ کر ایک دانا شخص عبداللہ بن سعد بن نفیل نے سلیمان سے پوچھا:

''حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے والے بدبخت لوگ تو کوفہ میں ہی موجود ہیں، انھیں چھوڑ کر باہر کون سے قاتل کو سزا دینے جا رہے ہو؟''

سلیمان بن صرد نے اسے مطمئن کرنے کے لیے جواب دیا:

''کوفے میں تو صرف سپاہی موجود ہیں، انھیں حکم دینے والا سردار اصل میں ابن زیاد تھا، لہٰذا اصل قاتل تو وہی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اسے ختم کرنا ہے، اسے ختم کرنے کے بعد باقی لوگوں کو ٹھیک کرنا نہایت آسان کام ہو گا۔''

ابن زیاد موصل میں گورنر کی حیثیت سے موجود تھا۔ اسے جب ان لوگوں کے آنے کی خبر ملی تو اُس نے ان کے مقابلے میں ایک لشکر روانہ کیا۔

دونوں فوجوں کی لڑائی عین الوردہ کے مقام پر ہوئی۔ اس لڑائی میں سلیمان بن صرد اور اُس کے بہت سے ساتھی شہید ہو گئے اور باقی بچے ہوئے لوگ وہاں سے ہتھیار ڈال کر واپس آ گئے۔

سلیمان بن صرد اور اُس کے ساتھیوں کو مورخین ''توابین'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، یعنی ایسے لوگ جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے وفائی کی اور اُس بے وفائی کی بدولت حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس پر اُن لوگوں کو افسوس ہوا اور اُنھوں نے اپنے اس گناہ سے توبہ کی اور اپنے گناہ کی تلافی کے لیے جنگ کی، اسی نسبت سے جنگ ''عین الوردہ'' کو ''جنگ توابین'' بھی کہا جاتا ہے۔

جنگ توابین کے سپاہی جب واپس آئے تو مختار ثقفی کو اُن کی شکست کی اطلاع جیل میں مل چکی تھی۔ اس نے جیل سے ہی ان لوگوں کو تعزیتی خط لکھا:

''تم لوگ بالکل غم نہ کرو اور مطمئن رہو۔ اگر میں زندہ رہا تو ضرور تمھارے تمام شہدا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لوں گا، ایک کو بھی نہ چھوڑوں گا اور ایسا خون بہاؤں گا کہ لوگوں کو بخت نصر کا زمانہ یاد آ جائے گا کہ کس طرح اس نے بنی اسرائیل کو قتل کیا تھا۔''

اپنے خط میں اس نے مزید یہ بھی لکھا:

''کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی ہے جو خون حسین (رضی اللہ عنہ) کا قصاص لینا چاہتا ہو اور وہ اس کام کے لیے مجھ سے عہد کرے۔''

اس خط کو جنگ توابین سے واپس آئے ہوئے کچھ معزز لوگوں نے پڑھا تو بہت ہی زیادہ خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ابھی ایک ایسا شخص موجود ہے جو اپنے دل میں حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے اس قدر جوش رکھتا ہے۔''

چناں چہ ایک شخص رفاعہ بن شداد کی سربراہی میں پانچ لوگ جیل گئے اور مختار ثقفی سے ملاقات کی۔ انھوں نے جیل میں ملاقات کے دوران میں مختار ثقفی سے رازداری کے ساتھ کہا:

''ہمیں آپ کا خط ملا تھا۔ ہم خوش ہیں کہ آپ ایسا جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔ ہم آپ کو جیل توڑ کر باہر نکال لیں گے۔''

مختار ثقفی نے انھیں جواب دیا:

''نہیں، آپ لوگ بالکل بھی تکلیف نہ فرمائیں۔ میں خود جب چاہوں آزاد ہو سکتا ہوں اور کوفے کا گورنر عبداللہ بن یزید مجھے خود ہی رہا کرے گا۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ آپ لوگ چند روز صبر کریں۔''

وہ لوگ مختار ثقفی کی بات سن کر خاموش ہو گئے اور زیادہ اصرار نہ کیا، پھر کچھ یہاں وہاں کی باتیں کر کے واپس چلے گئے۔

......(جاری ہے)......

ذوقِ معلومات (۶۳) کا درست جواب

☆ابونصر ابن الفرح الفارابی

علی میاں آج بہت خوش تھے۔آج ان کی سائنس کی استانی صاحبہ نے مختلف پھلوں کے متعلق انھیں معلومات دی تھیں اور سب بچوں کو اُنار، سیب اور آم کی اشکال مٹی سے بنانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ ان کا ہوم ورک تھا۔ استانی صاحبہ کو معلوم تھا کہ چار پانچ سال کے یہ بچے مٹی کے کھلونا پھل خود نہیں بنا سکیں گے، اس لیے امی ابو یا بڑے بھائی بہن سے مدد لینے کی اجازت تھی۔

علی کی آپی حنا نے علی کی خوشی کے لیے فوری طور پر ہامی بھر لی اور پھر شام تک مٹی کے پھل تیار تھے۔ ان پر اُصلی پھلوں کی مانند مطلوبہ رنگ کر دیے گئے۔ دُور سے وہ اصلی پھل ہی لگ رہے تھے۔

علی میاں کے پاؤں تو خوشی کے مارے زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ اگلے دن اسکول جانے کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے، کیوں کہ استانی صاحبہ نے بہترین پھل بنانے پر چاکلیٹ انعام میں دینے کا وعدہ کیا تھا اور علی میاں کو اُمید تھی کہ ان کے بنائے ہوئے پھل ضرور انعامی ہوں گے۔

رات کو سوتے ہوئے علی میاں نے تیار شدہ پھل اپنے قریب میز پر رکھ لیے۔ انھیں خوشی کے مارے نیند بھی نہیں آ رہی تھی، لیکن پھر آخر کار وہ سو گئے۔ جانے رات کا وہ کون سا پہر تھا کہ شور سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے دیکھا تو میز پر رکھے تینوں پھل آپس میں بُری طرح جھگڑ رہے تھے۔ علی میاں انھیں جھگڑتا دیکھ کر اُٹھ بیٹھے۔

”ارے دیکھو، علی میاں بھی اٹھ گئے۔ چلو، اپنا مقدمہ ان کے سامنے رکھتے ہیں۔“ انار نے چیخ کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ باقی پھلوں نے بھی تائید کی۔

آم نے اپنا گلا صاف کیا اور بولا:

”ہماری لڑائی اس بات پر ہو رہی ہے اور ہم یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے کہ پھلوں کا بادشاہ کون ہے۔ ساری دنیا میں یہ اعزاز مجھے پہلے ہی حاصل ہے، مگر یہ دونوں تسلیم نہیں کر رہے۔“

”ہم کیوں اسے بادشاہ مان لیں، اس کی خوبیوں کے مقابلے میں میری خوبیاں بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔“ سیب نے کہنا شروع کیا۔ ”میں لوگوں کی دماغی طاقت کے لیے بے حد مفید ہوں، یادداشت تیز کرتا ہوں، اور تو اور، کینسر سے بچاؤ کے لیے بھی مشہور ہوں۔“

”یہ کون سی بڑی خوبی ہے! کینسر سے بچاؤ کے لیے تو میرا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ میں تو آنکھوں کی مختلف بیماریوں کے لیے بھی فائدہ مند ہوں۔“ آم چلّایا۔ ”اور ہاضمے کے لیے میرا استعمال کتنا ہی اہم ہے۔“

”واہ واہ! تو کیا میں بے کار ہوں؟“ انار بھی ہار ماننے والا نہ تھا۔ ”انسانی جسم میں خون بنانا میرا ہی تو کام ہے۔ جگر کی بیماریوں کے لیے میں آخری علاج ہوں۔ ہاضمہ بھی تیز کرتا ہوں۔“

علی میاں نے ہاتھ اُٹھا کر سب کو خاموش رہنے کی ہدایت کی:

”پھل دوستو! دیکھو قدرت نے کسی کو بے کار پیدا نہیں کیا، ہر ایک کی کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہے جو اُسے دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔ دنیا میں کوئی چیز یا جان دار، بے کار یا نکما نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

میرا فیصلہ یہ ہے کہ کوئی پھل ایک دوسرے سے بڑھ کر نہیں ہے، ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پر کامل اور درست ہے، تم سب بادشاہ ہو۔“

”واہ! بہت خوب فیصلہ کیا علی میاں نے، ہم سب متفق ہیں۔“

تینوں پھل خوش ہو گئے۔ اچانک علی میاں کی آنکھ کھل گئی، صبح ہو چکی تھی۔

”ارے، یہ تو خواب تھا!“ علی میاں کے منہ سے نکلا۔ تینوں پھل میز پر موجود تھے، جیسے ان کے فیصلے پر خوش ہوں۔

ستّو

سعد علی چھیپا۔ کراچی

اپریل سے مہینے موسم گرما کا آغاز کرتا ہے اور جب موسم گرما شروع ہوتا ہے تو ہم مختلف قسم کے ٹھنڈے مشروبات کا استعمال کرتے ہیں، تاکہ خود کو گرمی سے بچا سکیں اور اِن مشروبات سے ہمیں دماغی طور پر بھی راحت ملتی ہے۔

موسم گرما میں استعمال ہونے والے مشروبات میں سے ایک مشروب ''ستّو'' بھی ہے، جسے مختلف طریقوں سے تیار کیا جاتا ہے اور جسے پینے سے ہمیں نہ صرف ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے، بل کہ اس مشروب کے دیگر بھی بہت سے فوائد ہیں، جیسے اس میں پروٹین، وٹامنز، آئرن، کیلشیم اور دیگر معدنیات وغیرہ وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

ستّو ایک قسم کا آٹا ہوتا ہے، جسے جو اور گندم وغیرہ کو پکا کر تیار کیا جاتا ہے۔ اسے عام طور پر گرمیوں میں مشروب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن بعض جگہوں پر لوگ اسے کھاتے بھی ہیں۔ یہ زیادہ تر پاکستان اور بھارت میں مشہور ہے۔

ستّو کے فوائد:

☆ ستّو میں وافر مقدار میں پروٹینز پائے جاتے ہیں، جو پٹھوں کی افزائش اور مرمت میں مدد کرتے ہیں۔

☆ ستّو شدید گرمی کے باعث پیدا ہونے والی کمزوری اور نڈھال پن کو ختم کرتا ہے اور تھکاوٹ کو دُور کرتا ہے۔

☆ ستّو ہمیں طاقت اور توانائی بخشتا ہے اور جسم میں موجود زائد کیلوریز کو کم کرتا ہے، جس سے بڑھتا وزن بھی کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

☆ ستّو کے استعمال سے ہائی بلڈ پریشر کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باقاعدہ استعمال سے دورانِ خون معتدل رہتا ہے۔

☆ ستّو جلد کے خلیات کی ٹوٹ پھوٹ کو روکتا ہے۔ اس میں موجود غذائی اجزا جلد کو صحت مند اور تروتازہ بناتے ہیں۔

☆ ستّو میں قدرتی طور پر فائبر موجود ہوتے ہیں جو ہاضمے کو بہتر کرتے ہیں۔

☆ ستّو آنتوں کو صاف کرتا ہے اور قبض جیسی بیماریوں سے بچاتا ہے۔

☆ ستّو معدے کی جلن اور تیزابیت کو بھی ختم کرتا ہے۔

☆ ستّو کولیسٹرول کی سطح کو برقرار رکھتا ہے۔

☆ ستّو بلڈ شوگر کے مریضوں کے لیے بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔

☆ ستّو ہیٹ اسٹروک سے حفاظت کرتا ہے۔

☆ بالوں کے مسائل جیسے بال جھڑنا، بالوں کی سفیدی، گنج پن، خشکی اور پتلے ہوتے بال ستو کے استعمال سے ٹھیک ہو سکتے ہیں۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی سبزی کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

صبر و شکر کا پیکر

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے دوست، خلافت اموی کے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے ملاقات کے لیے دمشق تشریف لے گئے۔ بنواُمیہ کی خلافت پچاس لاکھ مربع میل پر پھیلی بہت بڑی شان و شوکت والی سلطنت تھی۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، ولید بن عبدالملک کے یہاں مہمان ٹھہرے تھے۔ ظاہری قرائن کے لحاظ سے یہ ایک خوش گوار سفر تھا، جس میں آسائش و آرائش سے بھرپور پُرلطف قیام کا انتظام تھا، لیکن قدرت کو اِسی سفر میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بڑے کڑے امتحان لینے تھے!

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ ہر چار راتوں میں ایک قرآن مکمل فرماتے تھے، یعنی ہر رات میں ایک چوتھائی قرآن (ساڑھے سات پارے) تلاوت فرماتے تھے۔ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت سنائی تھی۔ ان کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔

ہوا کچھ یوں کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ان کا بیٹا محمد بن عروہ بھی تھا۔ شاہی محل کے مہمان خانے میں پہنچنے کے بعد محمد بن عروہ ٹہلتے ٹہلتے شاہی اصطبل میں جا پہنچا۔ اصطبل کا دروازہ کھولتے ہی ایک جانور بدک گیا اور اُس نے اس زور سے لات ماری کہ محمد بن عروہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا!

ہائے! کیا گزری ہو گی اس باپ پر جو اپنے جوان بیٹے کو مدینہ منورہ سے دمشق لے کر آیا، تاکہ اس کا جگر گوشہ دمشق کی سیر کر لے اور بنواُمیہ کے شاہی دربار کی میزبانی سے لطف اندوز ہو، لیکن عروہ کو کیا خبر تھی کہ تقدیر اُسے شام کی سرزمین میں اس لیے لائی ہے کہ اس کے بیٹے کی موت یہیں شاہی دربار میں لکھی ہوئی تھی۔

یہ ایک آزمائش تھی۔ اس کے بعد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک دوسری آزمائش میں بھی مبتلا ہو گئے۔ ان کے پاؤں میں زخم ہو گیا، جسے دیکھ کر معالج نے بتایا کہ پورا پاؤں کاٹنا پڑے گا، ورنہ زہر سارے جسم میں پھیل جائے گا، لہٰذا پاؤں کاٹے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

چار و ناچار عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی راضی ہو گئے اور ولید بن عبدالملک بھی انتہائی افسوس کے ساتھ اپنے عزیز دوست اور محبوب مہمان کا پاؤں کٹوانے پر آمادہ ہو گئے۔ عمل جراحی (آپریشن) کرنے والے آلات لے کر پہنچے تو عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہا:

''ہم آپ کو شراب پلائیں گے، تاکہ آپ کو نشہ ہو جائے اور آپ کو درد کا احساس نہ ہو!'' انھوں نے فرمایا:

''لا أستعين بحرام الله على ما أرجو من عافية۔''

(میں ہرگز شفا ملنے کی امید پر اللہ کی حرام کردہ چیز کا سہارا نہیں لے سکتا!)

تب انھوں نے کہا:

''ہم آپ کو نیند کی دوائی پلا دیتے ہیں۔'' انھوں نے فرمایا:

''میں نہیں چاہتا ہوں کہ میرے بدن کا ایک حصہ کٹے اور میں اس کی تکلیف بھی محسوس نہ کروں، پھر میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کیسے رکھوں گا بھلا!؟''

بالآخر انھوں نے پاؤں کاٹنے کی تیاری پوری کر لی اور آخری وقت میں کچھ پہلوان قسم کے لوگ اندر آ گئے۔ عروہ بن زبیر۔ نے حیرت سے فرمایا:

''یہ کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے بتایا:

''یہ آپ کو پکڑیں گے، کیوں کہ تکلیف کی شدت میں انسان کا صبر جواب دے جاتا ہے۔'' فرمانے لگے:

''ارے نہیں، مجھے پوری امید ہے کہ ان کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

بہر حال، چاقو سے ان کا ٹخنہ کاٹنا شروع کیا گیا، یہاں تک کہ ہڈی تک پہنچ گئے اور پھر آری رکھ کر زور لگایا گیا اور پاؤں جسم سے الگ ہو گیا!

اُن کی زبان پر مسلسل یہ جاری تھا:

لا إله إلا الله، الله أكبر!

اس کے بعد خون روکنے کے لیے لوہے کے برتن میں ابلا ہوا تیل ڈالا۔ اس کی تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اپنے ماتھے سے پسینا پونچھا اور فرمانے لگے:

''لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا۔''

(اس سفر نے تو ہمیں بہت تھکا دیا۔)

ان کی زندگی میں صرف ایک یہی رات تھی، جس رات ان کا چوتھائی قرآن پڑھنے کا معمول پورا نہیں ہو سکا۔

ایک یہی قصہ کیا! دن اور رات کی گردش میں ایسے سینکڑوں واقعات ہمیں یہی سبق دیتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کا کوئی بھروسا نہیں، یہاں کی راحت بھی عارضی ہے اور پریشانی بھی، یہاں کی نعمت بھی وقتی ہے اور تکلیف بھی، یہاں کی لذت بھی ناپائے دار ہے اور مصیبت بھی۔ ہر انسان یہاں آزمائش اور ابتلا میں ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، نیک ہو یا بد۔ یہ جگہ ہی آزمائش کی ہے، ہر ایک امتحان میں ہے، ہر ایک کو آزمایا جا رہا ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ نیکی کی وجہ سے آزمائش نہیں آئے گی، آزمائش تو آئے گی، بل کہ اللہ کے نیک بندوں پر بڑی آزمائشیں آتی ہیں، تاکہ انھیں آخرت کے بڑے درجات عطا کیے جائیں، البتہ آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی مدد اُن کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انھیں ہمت اور حوصلہ عطا فرماتے ہیں اور کامیاب فرماتے ہیں۔

اس کے چند روز بعد خلیفہ کے پاس ایک قبیلے بنوعبس کے کچھ لوگ آئے۔ ان میں ایک شخص بینائی سے معذور تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اس کی بینائی کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا:

''امیر المومنین! ایک رات میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سفر میں تھا۔ ایک وادی میں ہم نے رات گزاری۔ اس وقت پورے بنوعبس کے قبیلے کا سب سے مال دار شخص میں ہی تھا۔ رات کو بہت تیز بارش ہوئی۔ زبردست سیلاب آیا، جس سے میرے بیوی بچے سب ہلاک ہو گئے۔ مال مویشی سب کچھ بہہ گیا، سوائے ایک اونٹ کے اور ایک نومولود بچے کے۔

وہ اونٹ بدکا ہوا تھا، بھاگنے لگا، میں نے بچے کو زمین پر لٹایا اور اُونٹ کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ ذرا ہی آگے بڑھا تھا کہ پیچھے سے چیخنے کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، ایک بھیڑیا میرے بچے پر حملہ کر کے اسے مار چکا تھا۔ بچے کا سر بھیڑیے کے منہ میں تھا۔ میں نے دوبارہ اونٹ کا پیچھا کیا۔ میں قریب پہنچا تو اُس نے زور سے میرے منہ پر لات ماری، جس سے میری دونوں آنکھیں ضائع ہو گئیں، اور اَب نہ میرے بیوی بچے ہیں، نہ مال مویشی میں سے کچھ باقی ہے اور میری بینائی بھی ضائع ہو چکی ہے۔

ولید بن عبدالملک نے کہا:

''اسے عروہ کے پاس لے جاؤ، تاکہ انھیں تسلی ہو کہ دنیا میں ان سے بھی زیادہ مصیبت زدہ لوگ ہیں!''

لیکن اس ساری تکلیف کے باوجود حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ صبر کا ایک پہاڑ تھے اور ہمت کا ایک نمونہ تھے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے، کسی نے غم کا اظہار کیا تو فوراً زبان پر شکر کے الفاظ لاتے ہوئے فرمانے لگے:

''اللهم، كان لي بنون سبعة، فأخذت واحدا، أبقيت لي ستة، وكان لي أطراف أربعة فأخذت طرفا وأبقيت ثلاثة، ولئن ابتليت لقد عافيت، ولئن أخذت لقد أبقيت۔

(اے اللہ! میرے سات بیٹوں میں سے آپ نے (صرف) ایک واپس لیا، چھے میرے پاس باقی رکھے۔ آپ نے چار اعضا میں سے (صرف) ایک واپس لیا اور تین سے مجھے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا اور آپ نے مبتلا کیا ہے تو عافیت سے بھی بہت نوازا ہے اور آپ نے کچھ واپس لیا ہے تو بہت کچھ عطا بھی کیا ہے۔)

مدینہ منورہ کے کئی لوگوں نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے تعزیت کی۔ سب سے اچھی تعزیت ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ انھوں نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

اللہ کی قسم! اب آپ کو محنت اور کوشش کی بہت زیادہ ضرورت نہیں کہ آپ کے اعضا میں سے ایک عضو اور آپ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا پہلے ہی جنت میں پہنچ چکے ہیں۔ ان شاء اللہ! باقی اعضا اور باقی بچے بھی انھی اگلوں کے پیچھے پیچھے ہوں گے اور اُنھی سے جا ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے لیے ہی سلامت رکھا ہے کہ آپ کے علم اور آپ کی رائے کے ہم محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی آپ کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ پہنچائے اور اللہ ہی بہترین ثواب دینے والا ہے!

عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد آٹھ سال تک زندہ رہے اور ۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

آئیڈیل کون؟

محمد سعد صالح۔ کراچی

''مجھے تو چھوٹا بھیم پسند ہے۔ میرا دِل چاہتا ہے میں بھی اس کی طرح لڈو کھا کر طاقت وَر بن جاؤں۔'' اسجد پارک میں اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ یوشع اور ریان بھی اس کے ساتھ کھڑے تھے۔

''لیکن مجھے بھیم پسند نہیں، مجھے تو شیوا اچھا لگتا ہے۔ وہ بہت بہادر لڑکا ہے۔ وہ اپنے دشمن کو دبوچ لیتا ہے اور پھر بھاگنے نہیں دیتا۔''

ریان نے اپنے پسندیدہ اداکار کی خوبیاں بتائیں اور داد طلب نگاہوں سے اسجد کو دیکھا۔ یوشع ابھی تک ان دونوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا، اس نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''نہ تو مجھے بھیم پسند ہے اور نہ ہی شیوا، مجھے تو اِسپائیڈر مین سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں، وہ کس طرح مکڑی کے جالے بنا کر لوگوں کی مدد کرتا ہے، کبھی بلڈنگ پر چڑھتا ہے تو کبھی زمین پر اُترتا ہے۔ میری تو خواہش ہے، میں بھی کسی طرح اسپائیڈر مین بن جاؤں اور لوگوں کی مدد کروں۔''

یوشع نے اپنی بات کافی پُراعتماد لہجے میں مکمل کی۔ اسجد اور ریان اس کی بات سے کافی متاثر دکھائی دے رہے تھے۔

ان کی گفتگو چل رہی تھی کہ سامنے سے خالد اُن کی طرف آتا دکھائی دیا۔ یہ سب ایک کلاس میں پڑھتے تھے۔ خالد اُن کا بہت اچھا دوست تھا۔ جماعت میں اکثر پہلی پوزیشن خالد کی ہی آتی تھی۔

''ارے دیکھو! خالد آ رہا ہے۔ دیکھتے ہیں خالد کا آئیڈیل کون ہے؟'' انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

خالد نے پہنچ کر اُنھیں سلام کیا۔ علیک سلیک اور حال احوال پوچھنے کے بعد خالد نے کہا:

''تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے۔ کیا مجھے بتانا پسند کرو گے؟''

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں، ہم بھی یہی سوچ رہے تھے کہ تم سے پوچھیں۔'' ریان نے تائیدی جواب دیا۔

''دراصل ہم اپنے پسندیدہ کردار ایک دوسرے کو بتا رہے تھے۔'' اسجد نے خالد کو کہا۔

''ریان کو شیوا پسند ہے، جب کہ اسجد چھوٹا بھیم بننا چاہتا ہے اور میں اسپائیڈر مین کی طرح لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

یوشع نے خالد کو سب کے پسندیدہ کردار بتائے۔ خالد اُن کی بات سن کر کچھ سوچنے لگا۔ اسے سوچوں میں گم دیکھ کر ریان سے رہا نہ گیا۔ اس نے مزید اِنتظار کیے بغیر پوچھا:

''اب تم بتاؤ خالد! تمھیں کون پسند ہے؟ اور تم کس کی طرح بننا چاہتے ہو؟''

''جی بالکل، ہمیں بتاؤ، ہم بھی تمھارا پسندیدہ کردار جاننا چاہتے ہیں۔'' اسجد اور یوشع نے بھی ریان کی ہاں میں ہاں ملائی کی۔

''دیکھو دوستو! تم لوگوں نے اپنے پسندیدہ کردار بتا دیے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک نے اسی کردار کو پسند کیا ہے جسے وہ زیادہ اچھا سمجھتا ہے۔''

''ہاں بالکل، یہی بات ہے۔ ہم ان کی طرح بن کر لوگوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔'' سب نے یک زبان ہو کر خالد کو جواب دیا۔

کیا تم لوگوں نے ان جیسا کوئی انسان کہیں دیکھا ہے؟''

''نہیں، ہم نے کہیں نہیں دیکھا، صرف ٹی وی وغیرہ میں انھیں دیکھا ہے۔'' تینوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ان کی طرح بن نہیں سکتا۔ نہ تو بھیم کی طرح لڈو کھا کر طاقت وَر بنا جا سکتا ہے، نہ شیوا کی طرح لڑائی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اسپائیڈر مین کی طرح اڑا جا سکتا ہے!'' خالد نے انھیں وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

''پھر ہمیں یہ کارٹون کیوں دکھائے جاتے ہیں؟'' یوشع نے سوال کیا۔

''تاکہ ہم اپنے مسلمان ہیروؤں کو فراموش کر دیں۔ ہمارے دشمن نہیں چاہتے کہ مسلمان بچے صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم اور سلطان محمد فاتح کی یاد پھر سے تازہ کر دیں۔'' خالد جوشیلے انداز میں بول رہا تھا۔

''اوہ...... خالد! تم ٹھیک کہتے ہو، واقعی، ہم اپنے ہیروؤں کو بھول چکے ہیں اور ان خیالی کرداروں کو اپنا آئیڈیل مانتے ہیں۔'' ریان نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ اسجد اور یوشع خاموش تھے۔

''ہاں دوستو! ہم صلاح الدین، سلطان محمد فاتح، محمد بن قاسم اور ٹیپو سلطان کی اولاد ہیں۔ ہمیں اپنے ہیروؤں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ہمیں پھر سے ان کی یاد تازہ کرنی ہے۔'' خالد کی آواز میں جوش، جذبہ اور عزم بھرا ہوا تھا۔

''بے شک خالد بھائی! یہی ہمارے آئیڈیل ہیں اور ہم ان کی طرح بننے کی کوشش کریں گے۔'' تینوں نے مل کر کہا۔

''ان شاءاللہ، ان شاءاللہ!'' ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ وہ چاروں عہد کرتے ہوئے گھروں کی طرف چل دیے۔

خوش خبری

مقابلۂ خوش خطی ۹

طلبا و طالبات کے لیے انعامات جیتنے کے مواقع

بارہ مہینے بارہ انعامات

انعامات:

اول آنے پر 1000 روپے | دوم آنے پر 700 روپے

سوم آنے پر 500 روپے

مقابلے میں شریک ہونے کے لیے مندرجہ ذیل فن پارے کو لکھیے۔ جو قاری اس فن پارے کو عمدہ انداز میں لکھنے میں کام یاب ہوگیا، وہ انعام کا حق دار ہوگا۔

تو پھر دیر کس بات کی! اٹھایئے کاغذ اور قلم، کیجیے مشق......اور ہمیں جلد از جلد ارسال کر دیجیے۔

مقابلے سے متعلق ضروری ہدایات:

☆ کمپیوٹر پیپر (A-4 سائز) صفحہ استعمال کیجیے۔

☆ فن پارے کو لکھنے کے لیے فونٹین پین، پنسل، کٹا ہوا پین اور کٹا ہوا مار کر استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ کالی اور نیلی روشنائی استعمال کیجیے، کوئی اور رنگ بالکل استعمال نہ کیجیے۔

☆ صفحے کے چاروں جانب سے تقریباً ایک ایک انچ کا فاصلہ رکھ کر نمونہ تحریر کیجیے۔

زیرِ انتظام
شعبہ خوش خطی، البدر ہائر سیکنڈری اسکول

القرآن

نوٹ: فن پارہ ۳۰، جون ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہوجانا چاہیے۔ ایک فن پارہ ایک طالب علم کی طرف سے قبول کیا جائے گا۔ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا، جس پر اعتراض قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے فن پارے مقابلے میں شریک نہیں کیے جاسکیں گے۔

یادوں کے دریچوں سے

شفاء محمد احمد۔ البدر اسکول، کراچی

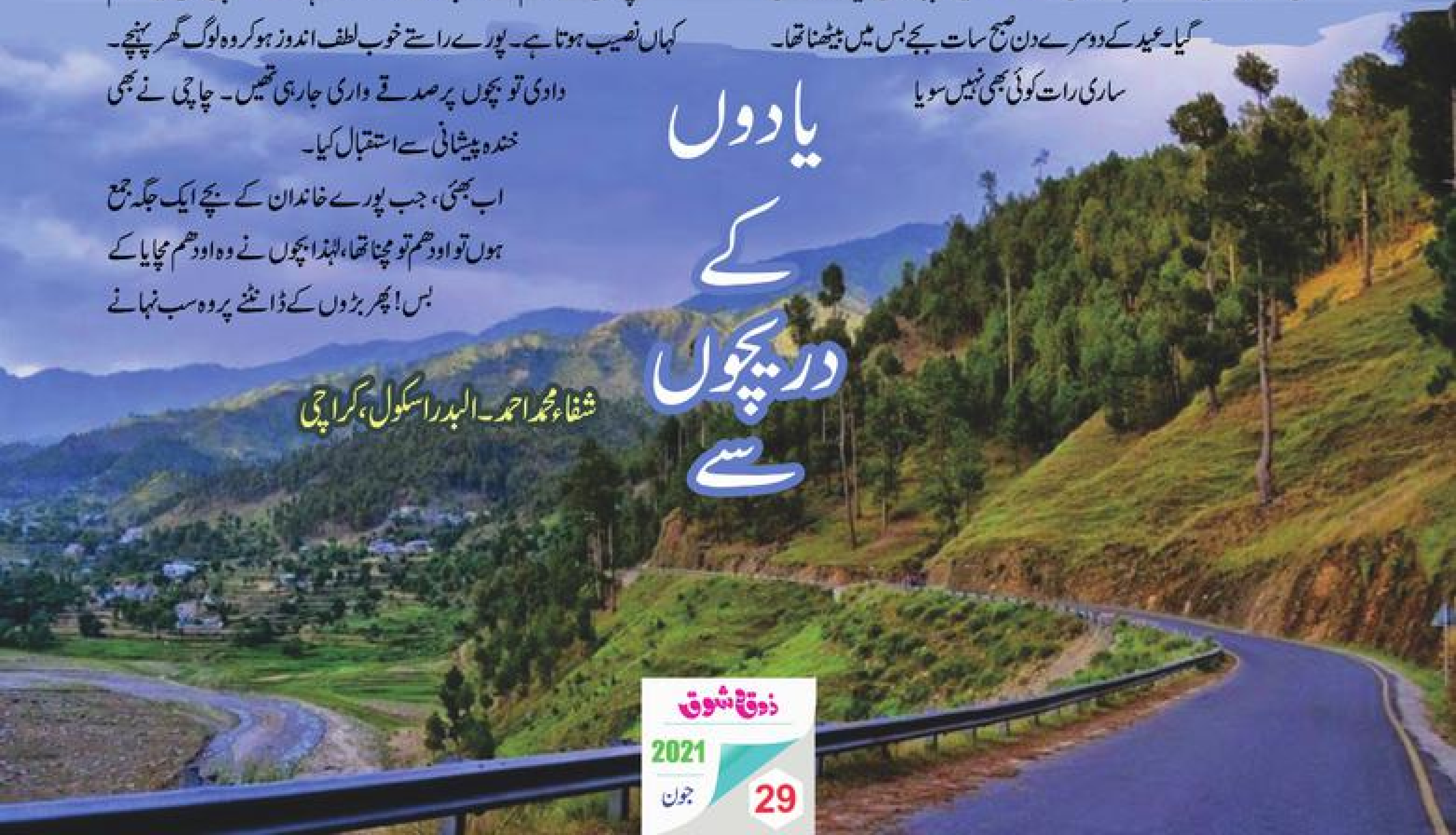

آج سارہ بہت خوش تھی۔ خوش کیوں نہ ہوتی، آج پورے سات سال بعد وہ اپنے آبائی گاؤں مانسہرہ اپنے سیف تایا اور دادی کے پاس جا رہی تھی۔

سارہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہے اور اُس کے علاوہ احمد صاحب کے تین بیٹے ہیں۔

سارا اور اُس کے بھائی کئی سال سے احمد صاحب سے اپنے آبائی گاؤں جانے کی ضد کر رہے تھے، مگر احمد صاحب کی مجبوری تھی۔ سارا اور اُس کے بھائی جون جولائی کی چھٹیوں میں بھی احمد صاحب کو بول بول کر تھک جاتے تھے، کیوں کہ جون جولائی میں تو اِسکول کی چھٹیاں ہو جاتی ہیں، لیکن احمد صاحب فوراً کوئی عذر پیش کر دیتے۔

سارا کے سب سے بڑے تایا احسن، دوسرے نمبر والے فیض تایا اور چوتھی نمبر والی خدیجہ پھوپھو اور احمد صاحب یہیں کراچی میں مقیم ہیں، جب کہ دوسرے نمبر والے سیف تایا مانسہرہ میں رہتے ہیں اور دادی بھی انھی کے پاس رہتی ہیں، جب کہ سارا ابھی پانچ سال کی تھی جب اُس کے دادا کا انتقال ہو گیا تھا۔

ان کے خاندان میں اکٹھی تین تین شادیاں ہونے کی بنا پر احمد صاحب کو بھی تمام مجبوریوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گاؤں جانا پڑ رہا تھا۔

سارا اور اُس کے بھائیوں کی خوشیوں کی انتہا نہ تھی، کیوں کہ گاؤں کی سیر کے مزے کے ساتھ شادی بھی، یعنی ڈبل مزہ، دوسرے لفظوں میں ایک ٹکٹ میں دو مزے۔

ان کے ٹکٹ عید کے دوسرے دن کے تھے۔ عید کا پہلا دن آیا اور گزر بھی گیا۔ عید کے دوسرے دن صبح سات بجے بس میں بیٹھنا تھا۔

ساری رات کوئی بھی نہیں سویا تھا، سب تیاریوں میں مصروف تھے۔ سارا بھی اپنی امی آسیہ بیگم کا خوب ہاتھ بٹا رہی تھی۔ آخر کار سب بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہوئے۔ سارا کا دِل بلیوں اچھل رہا تھا اور وہ اپنی کزن کی بیٹی وردہ، جو کہ اس کی ہم عمر تھی سے باتوں میں مگن تھی اور باتوں کا مرکز اُن کا پیارا گاؤں تھا۔

آخر کار وہ بس اسٹاپ پر پہنچے۔ تقریباً پورا خاندان ہی گاؤں جا رہا تھا۔ بڑے تایا، فیض تایا، خدیجہ پھوپھو اور احمد صاحب کی بھی پوری فیملی بمع ساز و سامان کے بس میں بیٹھ گئے۔ سارا اور وَردہ ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔

سارا سفر سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ راستے میں بہت ہی دل کش نظارے تھے۔ ہر موڑ پر نئے نظارے سارا اور وَردہ کو حیران کر رہے تھے۔

آس پاس سبزہ اور کھیت لہلہا رہے تھے۔ سارا کبھی دریا کی وسعتوں میں کھو جاتی تو کبھی پہاڑوں کی بلندی اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ غرضے کہ پورا راستہ انھوں نے بہت مزے کیے۔ چپس، نمکو، بسکٹ، چیونگم، ٹافیاں کھاتے سفر کرتے وہ لوگ بہت خوش تھے۔ راستے میں نہ جانے کتنے باغات، دریا، کھیت اور پہاڑ چھوڑ کر بس اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی اور پھر عید کے تیسرے دن صبح گیارہ بجے بس ان کی منزل پر رُکی۔

سارا کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ تایا اپنے بیٹوں کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے۔ وہ سب جلدی جلدی گاڑیوں میں سوار ہوئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ماحول میں خنکی تھی۔

بچے اس نئے موسم سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کراچی میں ایسا موسم کہاں نصیب ہوتا ہے۔ پورے راستے خوب لطف اندوز ہو کر وہ لوگ گھر پہنچے۔

دادی تو بچوں پر صدقے واری جا رہی تھیں۔ چاچی نے بھی خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

اب بھئی، جب پورے خاندان کے بچے ایک جگہ جمع ہوں تو اودھم تو مچنا تھا، لہٰذا بچوں نے وہ اودھم مچایا کہ بس! پھر بڑوں کے ڈانٹنے پر وہ سب نہانے

کے لیے چلے گئے۔ نہانے کے بعد سب نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ چاول، مرغی کا سالن اور ساگ کے ساتھ اچار کھا کر سب نے خوب چٹخارے لیے، پھر سب بڑے سونے کے لیے چلے گئے گئے، لیکن سارا سمیت کسی بچے کو نیند نہیں آرہی تھی۔

آلو چے، سیب اور خوبانی کے درخت دیکھ کر بچوں کے منہ میں پانی آرہا تھا، اس لیے بچے تو پھل توڑنے کے لیے درختوں پر چڑھنے لگے، جب کہ بچیاں گھر کی سیر کرنے لگیں، جو کہ اب ماشاء اللہ پکا ہو گیا تھا۔

بچے ابھی چوں کہ گاؤں میں نئے تھے، اس لیے انتہائی کوشش کے باوجود بھی درخت پر نہیں چڑھ پارہے تھے۔ حامد جو کہ گاؤں کا ہی تھا، اس نے پہلے خوبانی، سیب اور آلو چے توڑ کر بچیوں کو پکڑائے اور پھر بچوں کو درختوں پر چڑھنا سکھانے لگا۔

بچیاں ان پھلوں کو نمک سے کھانے لگیں۔ کچی خوبانی، ہرے ہرے سیب اور کھٹے آلو چے تو بچیوں کی مرغوب غذا تھی۔ جب بچیاں پھلوں کے خوب چٹخارے لے چکیں تو گھر کی پچھلی جانب موجود کھیتوں میں جانے کا پروگرام بنا۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، لہلہاتے درخت، پانی کا کنواں، دور سے نظر آتے بلند و بالا پہاڑ اور صاف شفاف ماحول دیکھ کر سارا کا دِل چاہا کہ کبھی کراچی واپس نہ جائے۔ پوری شام انھوں نے کھیتوں میں گھومتے ہوئے گزاری اور پھر جب شام کو ٹھنڈ بڑھنا شروع ہوئی تو سب گھر واپس آگئے۔

شام کی چائے پینے کے بعد تو بچیاں گھر میں ہی کھیلنے میں مگن ہو گئیں، جب کہ بچے کرکٹ کھیلنے لگے۔ مغرب کی نماز کے بعد رات کا کھانا آگیا۔ کھانا کھا کر جب پیٹ بھرا تو دن بھر کی تھکان غالب آگئی اور پھر عشا پڑھ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے کہ صبح فجر کی اذانوں سے آنکھ کھلی۔

نماز اَدا کرنے کے بعد ناشتا کیا گیا۔ اب شادی کی تیاری بھی کرنی تھی، کیوں کہ دو تین دن بعد شادی تھی۔ شادی کی تیاریوں میں تین دن کیسے گزرے پتا ہی نہیں چلا۔ شادی والے دن بہت ہی مزہ آیا۔

شادی کا ہفتہ گزرا تو سب بچوں نے سیر، سیر کی رٹ لگا لی، لیکن کیسے بھئی! شادی والا گھر تھا، اس لیے پورا ایک ہفتہ دعوتوں میں گزر گیا۔ کبھی کسی نے دعوت کر دی تو کبھی کسی نے۔ ایک دن بچوں نے کہا: آج تو پہاڑوں پر جانا ہی ہے۔ شامی کباب، نان، آلو چے اور خوبانیوں کے ٹوکرے بھر کر خوب تیار ہو کر سب پہاڑ کے اوپر گئے۔ شہری زندگی کی کثافتوں، ٹریفک کے شور شرابے، موبائل فون کی گھنٹیاں اور ہر دم بڑھتے ذہنی تناؤ جیسے مسائل سے دور پُرسکون اور پُرفضا مقام سارا کو انجانی خوشی سے روشناس کرا رہا تھا۔ یہاں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور دوسرے قدرتی مناظر سے اسے ذہنی سکون مل رہا تھا۔ یہ پہاڑ انتہائی سرسبز و شاداب اور خوب صورت تھے۔ سارا دیر تک ان مناظر میں کھوئی رہی۔

سارا کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کا گاؤں ہے۔ اس کا تو پورا گاؤں ہی قدرت کی دل کشی کا حسین نظارہ تھا۔ اونچی نیچی ڈھلوان، ٹیڑھے میڑھے راستے اور دوسری چیزیں قدرت کا شاہ کار تھیں۔

سارا تو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ دور تک پھیلی ہوئی ہریالی اور سورج کا غروب دیکھ کر شام چھے بجے وہ لوگ گھر واپس آئے۔ باقی پورا ہفتہ بھی انھوں نے گاؤں دیکھتے ہوئے گزارا۔

چاند کی چاندنی اور پُرسکون ماحول میں راحت، سکون اور اطمینان تھا۔ گاؤں کی کھلی فضا نگاہوں میں خنکی اور دلوں کو سرور عطا کرتی رہی۔ یہاں کی ہر چیز میں حسن نظر آتا تھا۔ گاؤں کی خوب صورتی کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ہر طرف بلند و بالا آسمان کو چھوتے ہوئے درخت انھیں مسحور کرتے رہے۔ رنگ برنگے پھولوں سے بھرے میدانوں کی مسحور کن خوش بو میں ہی آدمی گم ہو جائے۔ دریا اور جھیلیں الگ انھیں اپنی طرف متوجہ کرتی رہیں۔ غرضے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک خوب صورت جنت تھی۔ پورا مہینا پلک جھپکتے ہی گزر گیا اور پھر جب بھائی نے بتایا کہ واپسی کے ٹکٹ بک ہو گئے ہیں اور کل واپسی ہے تو سارا کا ننھا سا دِل اداس ہو گیا۔

واپسی کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کل ان کی واپسی تھی۔ پوری رات اسے نیند ہی نہیں آئی۔ سچ کہتے ہیں: یا تو خوشی سے رات کروٹیں بدلتے گزرتی ہے یا پھر غم سے۔ جب وہ لوگ آرہے تھے تب بھی سارا پوری رات نہیں سوئی تھی اور آج بھی اس کی رات کروٹیں بدلتے گزری تھی۔ سب کا یہی حال تھا۔

صبح کے ناشتے کے بعد واپسی کی تیاری ہونے لگی۔ سارا نے جس جوش و خروش سے آتے وقت تیاری کی تھی وہ کہیں کھو گیا تھا، اس لیے سارا اور وَردہ اُداس دل لیے گھر کی پچھلی جانب کھیتوں کی طرف چل دیں۔ تین بجے بس کو روانہ ہونا تھا اور ابھی ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ سب عبایا پہن کر تیار ہو گئے اور ملنے ملانے لگے۔ سارا اور وَردہ کے آنسو بھی نکلنے کے لیے بے تاب تھے۔ دادی کے گلے لگ کر وہ بہت روئیں۔

سب کہہ رہے تھے کہ رک جاؤ، لیکن دو دِن بعد اُن کے اسکول بھی کھل رہے تھے۔ سارا نے گھر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پھر سب گاڑی میں بیٹھ گئے اور بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سارا اور وردہ کا دِل بہت بوجھل تھا۔ پورے راستے اُسے بالکل مزہ نہیں آیا، اور پھر وہ لوگ کراچی پہنچ گئے۔

سارا کو گاؤں میں گزارے ہوئے دن ایک خواب لگتے ہیں اور اُس کا دل چاہتا ہے کہ وہ اُڑ کر واپس گاؤں چلی جائے۔

بکھرے موتی

قارئین

☆ ننانوے فی صد ناکامیاں ان لوگوں کے حصے میں آتی ہیں جنھیں عذر پیش کرنے کی عادت ہوتی ہے۔

☆ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے۔

☆ جو اپنی کمائی سے روٹی کھاتا ہے اسے حاتم طائی کا احسان نہیں اٹھانا پڑتا۔

(کومل فاطمہ اللہ بخش۔کراچی)

☆ وقت خام مسالے کی مانند ہے، اس سے جو چاہو بنالو۔

☆ دنیا میں وہی لوگ سر بلند ہوتے ہیں جو تکبر سے دور رہتے ہیں۔

☆ ظالم کی موت پر ملال ہونا افسوس کر بھی ظلم میں شامل ہے۔

☆ دل ایک آئینہ ہے۔ اگر وہ بدی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آسکتا ہے۔

☆ عموماً بڑے گھروں میں چھوٹے اور چھوٹے گھروں میں بڑے لوگ رہتے ہیں۔

☆ چار چیزیں انسان کو بلند کرتی ہیں:

ا۔علم۔ ۲۔حلم۔ ۳۔کرم ۴۔خوش کلامی۔

☆ توبہ کے درخت کو شرمندگی کا پانی دینا چاہیے۔

(حافظ حذیفہ محمود۔کراچی)

☆ معمولی معمولی فضول خرچیوں سے بچتے رہو، کیوں کہ چھوٹا سا سوراخ بڑے سے بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔

☆ انسان صوم وصلوٰۃ سے نہیں پہچانا جاتا، بل کہ معاملات سے پہچانا جاتا ہے۔

☆ عیب کرنے والا ہی بد نہیں، بل کہ عیب کو ظاہر کرنے والا بھی بدترین ہے۔

☆ دوست سے اپنے حقوق نہ مانگو، بل کہ خود دوست کے حقوق پورے کرو۔

☆ لباس میں آرائش کا نہیں، بل کہ آسائش کا خیال رکھو۔

(حافظ محمد اشرف، محمد ارشد، زہرہ بلال۔حاصل پور)

☆ جو لوگ چپ چاپ سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں ان کے بارے میں طے ہے کہ ان کا دل زخم خوردہ ہے۔

☆ جو چیزیں تمھارے قبضے سے نکل چکی ہیں ان پر افسوس نہ کرو۔ یہ عادت بچوں اور کم عقلوں کی ہے۔

☆ جو پریشان رہتا ہے اس کے لیے پریشانیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

(نثار احمد سولنگی۔کراچی)

☆ جو شخص لالچ کرتا ہے اس کی روزی میں تو اضافہ نہیں ہوتا، البتہ اس کی عزت اور قدر کم ہو جاتی ہے۔

(عبدالمجید خان۔کراچی)

☆ سچ بات کہہ دینے سے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

(؟۔؟)

☆ بات کرنے سے پہلے تین باتوں کا خیال رکھو:

ا۔لہجہ اچھا رکھو۔ ۲۔نرمی سے بات کرو۔ ۳۔سوچ سمجھ کر بات کرو۔

☆ جتنے بھی لفظ ہیں وہ مہکتے گلاب ہیں، لہجے کے فرق سے انھیں تلوار مت بناؤ۔

☆ الفاظ کتنے ہی پُراثر کیوں نہ ہوں، اگر انھیں محبت اور خلوص سے نہ کہا جائے تو بے اثر ہو جاتے ہیں۔

(؟۔؟)

آئیے، پشاور چلتے ہیں

الطاف حسین۔کراچی

"پوش پاپورہ!"

جی ہاں، پشاور شہر کے قدیم ناموں سے اس کا ایک نام یہ بھی تھا۔ سنسکرت زبان میں اس نام کا مطلب ہے: "پھولوں کا شہر"۔

خاندانِ مغلیہ کے بانی ظہیر الدین محمد بابر نے جب 1526ء میں پشاور شہر فتح کیا تو اُن دنوں یہ شہر اسی نام (پوش پاپورہ) سے مشہور تھا۔ یہاں کے لہلہاتے پھولوں کے باغات نے بابر کو بہت متاثر کیا۔ وہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"پشاور کے دِل کش اور حیرت انگیز پھولوں کے باغات سے لطف اندوز ہونے کا مزہ ہی کچھ اور ہے!"

پشاور پاکستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ تاریخ کے آئینے میں اس کی پہلی جھلک "پکاپورس" کے نام سے گندھارا تہذیب کے ایک مرکز کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ 600 قبل مسیح میں اس کی سرحدیں سطح مرتفع پوٹھوہار سے پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

326 قبل مسیح میں مشہور یونانی بادشاہ سکندر اعظم نے درّہ خیبر کے راستے پشاور اور اُس کے اردگرد واقع شہروں پر لشکر کشی کی تھی۔ ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد سکندر اعظم اپنی فوج کے ایک جنرل یوڈیمس کو یہاں اپنا نائب مقرر کر کے اور اپنی فوج کا کچھ حصہ یہاں چھوڑ کر اگلی منزل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

322 قبل مسیح میں موریہ خاندان کے بانی چندر گپت موریہ نے فوجی طاقت جمع کرنے کے بعد جنرل یوڈیمس کو شکست دے کر برِصغیر میں دنیا کی پہلی با قاعدہ ہندو مملکت کی بنیاد رکھی، جو ہندوستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ چندر گپت موریہ آہستہ آہستہ اِردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی مملکت کی سرحدوں کو وسیع کرتا رہا۔

306 قبل مسیح میں ایک یونانی جنرل سلیوکس نے سکندر اعظم کے ان تمام مقبوضات پر لشکر کشی کی جو سکندر اعظم نے فتح کیے تھے۔ جنرل سلیوکس نے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

305 قبل مسیح میں چندر گپت موریہ نے جنرل سلیوکس کو شکست دی اور ایک معاہدے کے تحت 500 ہاتھیوں کے عوض پشاور سمیت موجودہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے دیگر کئی شہروں کے ساتھ ساتھ ٹیکسلا، چترال اور افغانستان کے ایک بڑے حصے پر بھی اپنا تسلط جما لیا۔

298 قبل مسیح میں چندر گپت موریہ کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا بندوسار تخت نشین ہوا، جس نے 255 قبل مسیح تک حکومت کی۔ اس کے بعد موریہ خاندان کے تیسرے حکمران اشوک اعظم نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، جو چندر گپت موریہ کا پوتا تھا۔ اشوک اعظم، مہاتما بدھ کی تعلیمات سے بہت متاثر تھا، اس لیے اس نے ہندو دَھرم چھوڑ کر بدھ مذہب اختیار کر لیا اور پشاور اور ٹیکسلا کو بدھ مت کی تعلیم کے اہم مراکز بنا دیا۔ اس نے نہ صرف ہندوستان، بل کہ دیگر ممالک میں بھی بدھ مت کے مبلّغ بھیج کر بدھ مت کی تعلیمات پھیلانے میں نہایت اہم کردار اَدا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ دُور دُور سے بدھ مت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ٹیکسلا اور پشاور آنے لگے۔

اشوک اعظم نے شہباز گڑھی (پشاور) اور مانسہرہ (ہزارہ) میں چٹانوں اور لاٹوں پر مہاتما بدھ کی تعلیمات کندہ کروائیں۔ یہ کتبے اس شاہ راہ پر نصب کرائے گئے جو مغربی پاکستان کو وسط ایشیا سے ملاتی تھی۔

اشوک اعظم کے دورِ حکومت کے دوران میں بدھ مت کے زیر اثر علاقوں میں بے شمار بدھ عبادت گاہیں (اسٹوپ) تعمیر ہوئیں، جن کی وجہ سے فنِ تعمیر میں خاص دِل کشی اور جاذبیت پیدا ہوگئی۔

185 قبل مسیح میں موریہ خاندان کے آخری حکمران راجا بدیرتھ کے قتل کے بعد موریہ خاندان کی 137 سالہ مملکت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد یہاں راجپوتوں کی حکومت قائم ہو گئی، جو ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

190 قبل مسیح میں بلخ (افغانستان) کے باختری یونانی بادشاہ ڈیمیٹریوس نے انھیں شکست دے کر پشاور سمیت دیگر کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ 75 قبل مسیح میں ملک فارس (موجودہ ایران) کے تورانی حملہ آوروں نے باختری یونانیوں کو شکست دے کر اُن کے زیرِ قبضہ تمام علاقوں کو اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔

122ء میں ہندوستان میں کشان خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ اس کے پہلے حکمران کنشک نے تورانیوں کو شکست دی اور اُن کے

زیرِ قبضہ تمام علاقے اپنی مملکت میں شامل کر دیے۔ کنشک نے 160ء تک حکومت کی۔ کنشک نے اپنے دورِ حکومت کے دوران میں کشمیر میں بدھ بھکشوؤں (راہبوں) کی کانفرنس منعقد کی، جس کے نتیجے میں مہاتما بدھ کی مورتیوں کی پوجا کا باقاعدہ آغاز ہوا اور اِسی دور میں فنِ سنگ تراشی کی ایک نئی اور حیران کن طرز ''گندھارا آرٹ'' کے نام سے وجود میں آئی۔ مذکورہ فن کے ماہرین نے نہ صرف مہاتما بدھ کی نہایت خوب صورت اور عظیم الشان مورتیاں بنائیں، بل کہ یہاں کی چلتی پھرتی زندگی کو بھی حیرت انگیز طور پر پتھروں پر نقش کر دیا۔ انسانوں، جانوروں، پرندوں، پھلوں اور پھولوں کے ایسے ایسے حیرت انگیز نمونے پیش کیے جو آج بھی پشاور، لاہور اور ٹیکسلا کے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ قدیم دور کے ان شاہ کاروں کو دیکھ کر آنکھوں میں حیرت سمٹ آتی ہے اور ذہن میں کئی سوالات سر اُٹھاتے ہیں۔

کنشک، علم و فن کا بہت قدر دان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں اشوک اعظم کے زمانے کی طرح پشاور اور ٹیکسلا ایک بار پھر بدھ مت کی تعلیم کے بڑے مراکز بن گئے۔ جہاں دُور دُور کے ملکوں کے طلبہ آ کر بدھ مت کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کنشک نے پشاور میں ایک عظیم الشان بدھ عبادت گاہ بھی تعمیر کرائی، جس کے مینار کی بلندی 400 فیٹ تھی۔ اس اسٹوپ میں مہاتما بدھ کی ہڈیاں محفوظ کی گئی تھیں۔ اس سٹوپ کی زیارت کے لیے دُور دُور سے بدھ زائرین یہاں آیا کرتے تھے۔ یہ اسٹوپ آج بھی کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے۔

320ء میں کشان خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ہندوستان میں گُپت خاندان کے بانی چندر گُپت اوّل کی حکومت قائم ہوئی۔ اس خاندان کو بدھ مت سے کوئی دل چسپی نہ تھی، جس کی وجہ سے اس دور میں بدھ مت کو زوال آنا شروع ہوا۔ چندر گُپت اوّل کے دورِ حکومت میں ہندو دَھرم کو دوبارہ عروج حاصل ہوا، ہندی کیلنڈر کا آغاز بھی ہوا اور گُپت خاندان کے زیرِ قبضہ علاقوں میں ہندو دَھرم کے بتوں اور مندروں کی تعمیر کا سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع کر دیا گیا۔ گُپت خاندان کے حکمرانوں نے ہندو دَھرم کو ہندوستان کے ہر شہر سمیت دیگر ممالک تک پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

455ء میں گپت خاندان کے پانچویں حکمران سکندا گپت کے دورِ حکومت میں وسط ایشیا سے آنے والی ایک جنگ جُو قوم ''سفید ہن'' نے اپنے سردار تورامان کی قیادت میں شمالی پاکستان (بشمول پشاور، ٹیکسلا اور سیالکوٹ وغیرہ) اور شمالی مغربی ہند پر قبضہ کر لیا۔ تورامان کے مرنے کے بعد جب اس کے بیٹے مہر گل نے اقتدار سنبھالا تو اُس نے بدھ بھکشوؤں (راہبوں) کو قتل کرنے اور اُن کی عبادت گاہوں اور خانقاہوں کو مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی فوج نے سیکڑوں بدھ بھکشوؤں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تمام عبادت گاہوں اور خانقاہوں کو تباہ کر دیا۔ اس طرح (مغربی پاکستان) کے علاقوں میں ہندو مذہب کو مزید ترقی ملتی گئی اور بدھ مت ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا!

سفید ہنوں نے طویل عرصے تک یہاں قبضہ جمائے رکھا۔ 606ء میں گپت خاندان کے آخری حکمران راجا ہرش وردھن نے آس پاس کے علاقوں کے ہندو راجاؤں سے اتحاد قائم کر کے اس قوم کو مار بھگایا۔

647ء میں راجا ہرش کے مرنے کے بعد یہ علاقہ راجپوتوں کے قبضے میں چلا گیا۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دن ہفتوں کا، ہفتے مہینوں کا اور مہینے سالوں کا رُوپ دھارتے رہے۔ دسویں صدی کے آخر میں پال خاندان کے پہلے حکمران راجا جے پال نے پنجاب میں ہندو ریاست قائم کی۔

راجا جے پال نے غزنی (افغانستان) کے حکمران ناصر الدین سبکتگین کی سلطنت کی حدود کو وسیع ہوتا دیکھ کر اسلامی مملکت کے خلاف جنگ چھیڑ دی، لیکن اس جنگ میں ناصر الدین سبکتگین نے اسے شرم ناک شکست دی۔ بالآخر راجا جے پال نے درجنوں ہاتھی اور بھاری خراج ادا کر کے ناصر الدین سبکتگین سے صلح کر لی، لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اُس نے عہد توڑ کر دیگر ہندو ریاستوں کے راجاؤں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے دوبارہ سلطنت غزنی پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ بھی اسے شرم ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور پشاور کا علاقہ سلطنتِ غزنی کا حصہ بن گیا۔ ناصر الدین سبکتگین کی وفات کے بعد 997ء میں ان کے بیٹے سلطان محمود غزنوی بُت شکن تخت نشین ہوئے۔

1001ء جے پال نے سلطان محمود غزنوی کے خلاف بھی اعلانِ جنگ کر دیا، لیکن حسبِ سابق اسے تیسری بار بھی غزنوی فوج کے ہاتھوں شرم ناک شکست اُٹھانی پڑی۔ شرم ناک شکست کی ''ہیٹ ٹرک'' نے اسے اس قدر دل برداشتہ کر دیا کہ اس نے لاہور جا کر خود کو آگ لگا کر خود کشی کر لی۔ راجا پال کی خودسوزی کے بعد اُس کے بیٹے انند پال نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور 1008ء میں اس نے ہندوستان کے تمام راجاؤں سے محمود غزنوی کے خلاف جنگ کے لیے مدد مانگی۔ پشاور کے قریب حق و باطل کے درمیان زبردست معرکہ لڑا گیا، جس کے نتیجہ میں ہندو راجاؤں کے متحدہ لشکر نے شکست کھائی اور پشاور

شہر بدستور سلطنتِ غزنی کا حصہ رہا۔

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے کی بڑی وجہ ہندو حکمرانوں کی سازشیں اور قرامطیوں کی بے جا حمایت تھی۔ قرامطی وادیِ سندھ میں حکمران تھے۔ انھوں نے اکثر اِسلامی اصولوں کو ترک کر دیا تھا، نیز وہ اسلامی خلافت کے مخالف بن چکے تھے اور اُن کی یہ روش سلطان محمود غزنوی کو سخت ناپسند تھی۔ ان لڑائیوں میں وہ ہندو راجاؤں سے مدد مانگتے تھے، لیکن اس کے باوجود ہر بار فتح محمود غزنوی کے قدم چومتی رہی۔ وہ ہندوستان میں دُور دُور تک حملے کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دیتے رہے۔

1009ء میں انھوں نے نگر کوٹ کے اس قلعے پر اِسلامی پرچم لہرایا، جسے ہندو ”ناقابلِ تسخیر قلعہ“ کہتے تھے۔ 1018ء میں قنوج اور متھرا پر اِسلامی پرچم لہرایا۔ 1024ء میں محمود غزنوی نے سب سے بڑا حملہ سومنات (کاٹھیاوار) کے مندر پر کیا، جس میں انھوں نے ہندو راجاؤں کی تمام اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا۔

غزنوی خاندان کی حکومت کے زوال کے بعد غوری خاندان نے طاقت پکڑی۔ 1175ء میں سلطنت ”غور (افغانستان)“ کے حکمران سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ”اُچ شریف (بہاول پور)“ پر حملہ کر کے قرامطیوں کی سازشوں کو ناکام بنایا اور پشاور اور لاہور کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنایا۔

1191ء میں شہاب الدین محمد غوری نے دہلی کے ہندو راجا پرتھوی راج سے جنگ کی لیکن افرادی قوت کی کمی کی وجہ سے محمد غوری کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ 1192ء شہاب الدین محمد غوری نے بھرپور فوجی تیاری کے ساتھ ہندو راجا پرتھوی راج کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر ہندوستان میں پہلی باقاعدہ اسلامی سلطنت قائم کر دی۔

1206ء میں ہندوستان پر خاندانِ غلاماں کی حکومت قائم ہوئی تو پشاور سلطنت غلاماں کا حصہ بن گیا۔ 1290ء میں یہ شہر خاندانِ خلجی اور 1320ء میں خاندانِ تغلق کی سلطنت کا حصہ بنا۔ 1414ء میں خاندانِ سادات اور پھر 1451ء میں خاندانِ لودھی کی حکومت میں شامل ہوا، اس کے بعد 1526ء میں خاندان مغلیہ کے بانی ظہیر الدین محمد بابر نے درّہ خیبر کے راستے جنوبی ایشیا پر حملہ کیا تو سب سے پہلے پشاور کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنایا اور اِس شہر کا نام ”پیش آور“ رکھا۔

1540ء میں سُوری خاندان کے پہلے حکمران فرید خان، المعروف شیر شاہ سُوری نے خاندانِ مغلیہ کے دوسرے تاج دار، نصیر الدین محمد ہمایوں کو شکست دی تو وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو کر ایران چلا گیا۔

شیر شاہ سُوری کے دورِ حکومت میں پشاور نے بہت ترقی کی۔

1545ء میں شیر شاہ سُوری کی شہادت کے بعد سلیم شاہ سُوری تخت نشین ہوا۔

1553ء میں فیروز شاہ سُوری نے انتظامِ حکومت سنبھالا۔

1555ء میں نصیر الدین محمد ہمایوں نے ایران کے بادشاہ شاہ طہماسپ صفوی سے اپنا کھویا ہوا اِقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے لیے فوجی مدد کی درخواست کی اور ایرانی فوج کی مدد سے نصیر الدین محمد ہمایوں نے افغانستان کے شہر کابل اور قندھار کو فتح کیا، پھر فیروز شاہ سُوری کو شکست دے کر اَپنا خاندانی اقتدار دوبارہ حاصل کر لیا۔

خاندان مغلیہ کے تیسرے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دورِ حکومت میں اس شہر کو ”پیشہ ور“ کا نیا نام ملا۔

18ویں صدی عیسوی میں جب سلطنت مغلیہ زوال کا شکار ہوئی تو 1761ء میں افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ درّانی نے پنجاب، کشمیر اور پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس علاقے میں جس افراتفری اور لاقانونیت نے جنم لیا اس سے پنجاب میں (1791ء میں) سکھ ریاست قائم کرنے والے حکمران رنجیت سنگھ نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور 1818ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔

سکھوں کے دورِ حکومت کے دوران میں مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، ان کی مذہبی آزادی پر پابندی لگا دی گئی، بہت سی مساجد کو اِصطبل میں تبدیل کر دیا گیا، اذان دینے پر بھی پابندی لگا دی گئی، نیز مسلمانوں کو جبراً سکھ بنایا جانے لگا۔

جب دہلی میں موجود حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اِن واقعات کا علم ہوا تو آپؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو خفیہ طور پر پنجاب بھیجا۔ انھوں نے پنجاب کے حالات دیکھنے کے بعد واپس جا کر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو تمام صورتِ حال بتائی۔

آپؒ نے 1824ء میں پانچ سو مجاہدین پر مشتمل فوج تیار کی اور حضرت شاہ اسماعیلؒ کے ہم راہ راجپوتانہ سے ہوتے ہوئے درّہ بولان کے راستے افغانستان میں داخل ہوئے۔ وہاں قیام کے دوران میں افغانستان سے بھی لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل کیا، جس کے نتیجے میں فوج کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

آپؒ نے یہاں سے شمال کا رُخ کیا، پھر کابل کے قریب پہنچ کر مشرق کا

رُخ کیا اور نوشہرہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں سے سیکڑوں نوجوان آپؒ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

1826ء میں حضرت سید احمدؒ نے ''جنگ اکوڑہ'' میں سکھوں کو شکست دے کر آزاد اسلامی ریاست قائم کر لی۔ حضرت سید احمدؒ کی کامیابی پر رنجیت سنگھ گھبرا گیا۔ اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے کے بعد پشاور کے دو مقامی سرداروں یار محمد خان اور سلطان محمد خان کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور پشاور کا شہر اُن دونوں سرداروں کے حوالے کر دیا۔

حضرت سید احمدؒ نے مجاہدین کو منظم کرنے کے بعد 1830ء میں پشاور کو فتح کر کے اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ یار محمد خان جنگ کے دوران میں مارا گیا اور سلطان محمد خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ جنگ کے خاتمے پر حضرت سید احمدؒ نے پشاور میں اسلامی قانون جاری کر دیا۔ نشہ آور اشیا کی سختی سے ممانعت کر دی گئی اور بدکاری کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ان عوامل پر پشاور کے کئی قبائلی سرداروں نے حضرت سید احمدؒ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کر دی۔ ان حالات میں حضرت سید احمد ہزارہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

1831ء میں بالاکوٹ کے مقام پر مجاہدین اور سکھوں کے درمیان زبردست معرکہ لڑا گیا، جس میں حضرت سید احمدؒ اور حضرت اسماعیلؒ اپنے سیکڑوں مجاہدین کے ساتھ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی تحریکِ جہاد ختم ہو گئی۔

1838ء میں رنجیت سنگھ نے ایک اطالوی نژاد جنرل اویٹیبل کو پشاور کا گورنر مقرر کر دیا، جو مقامی قصہ کہانیوں میں ابوطویلہ یا ابوطبیلہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس گورنر کی وجہ شہرت یہ تھی کہ یہ بہت ظالم اور سفاک شخص تھا اور مجرموں کو مختصر کارروائی کے فوراً بعد مسجد مہابت خان کے بلند میناروں سے لٹکا کر پھانسی دے دیا کرتا تھا۔

مؤرخین کے بیان کے مطابق روزانہ کم از کم دو مسلمان لازماً اس کے ظلم کی بھینٹ چڑھا کر شہید کر دیے جاتے تھے۔ یہ بدبخت شخص 1842ء تک پشاور کا گورنر رہا۔ اس دوران میں اس نے پشاور کے اردگرد ایک مضبوط فصیل تعمیر کروائی، جس میں چھوٹے بڑے سولہ دروازے بنائے گئے تھے۔ بعد میں جب پشاور کی حدود کو وسیع کیا گیا تو ان میں سے کچھ دروازے نکال دیے گئے۔ اب سات دروازے باقی رہ گئے ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(1) گنج دروازہ، (2) سرد چاہ دروازہ، (3) کوہاٹی دروازہ، (4) سرایشیا دروازہ، (5) آسامٹی دروازہ، (6) لاہوری دروازہ، (7) کابلی دروازہ۔

1839ء میں رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد شیر سنگھ اور اُس کے بعد دلیپ سنگھ نے اقتدار سنبھالا۔ کچھ ہی عرصے بعد سکھوں میں پھوٹ پڑ گئی اور چور راستوں سے ہندوستان میں قدم جمانے والے انگریزوں نے اس انتشاری کیفیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا، انھوں نے پوری سکھ ریاست پر قبضہ کرنے کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دی۔

1845ء میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہوئی جو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی، لیکن 1849ء میں ہونے والی دوسری جنگ میں انگریزوں نے سکھوں کو شکست دے کر سکھ ریاست کے زیرِ نگیں تمام علاقوں (بشمول پشاور) پر قبضہ کر لیا اور دلیپ سنگھ کو پنشن کا لالچ دے کر انگلستان بھجوا دیا گیا۔

انگریزوں نے پشاور شہر کو ایک مضبوط چھاؤنی میں تبدیل کر دیا اور پشاور کا نام ''پیشہ ور'' سے تبدیل کر کے ''پشاور'' رکھا اور مزے سے حکومت کرنے لگے، لیکن یہاں کے غیور پٹھان قبائل نے فرنگیوں (انگریزوں) کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے سے انکار کر دیا اور اُن کے خلاف محاذ کھول دیا۔

1897ء تک پٹھان قبائل نے انگریز فوج کو زچ کیے رکھا۔ 1899ء میں لارڈ کرزن نیا وائسرائے ہند مقرر ہوا۔ اس کے دور میں 20 دسمبر 1901ء کو پانچ سرحدی اضلاع اور پانچ قبائلی ایجنسیاں جو صوبہ پنجاب میں شامل تھیں، کو پنجاب سے علاحدہ کر کے ''شمالی مغربی سرحدی صوبے (سرحد)'' کے نام سے نیا صوبہ تشکیل دیا گیا۔ انگریزوں نے اس صوبے کو ہر لحاظ سے پستی کی طرف دھکیلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہاں کی صنعتی ترقی کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت روک دیا گیا۔ تجارت کے شعبے کو نقصان پہنچایا گیا۔ زبان و ادب کی نشر و اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ تعلیمی پستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں پورے صوبے میں صرف چند اسکول اور دو کالج قائم تھے، جن میں داخلے کا حصول یہاں کے عوام کے لیے مشکل بنا دیا گیا تھا۔ آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے ''رولٹ بل'' کے نام سے ایک کالا قانون رائج کیا گیا، جس کی رُو سے ملکی آزادی کے لیے کام کرنے والوں کے لیے موت کی سزا مقرر کی گئی، لیکن انگریز حکومت کی تمام تر سختیاں اور سبھی حربے ناکام ہوئے، علامہ اقبال کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور شہیدوں کے لہو سے جلتے چراغوں کی روشنی میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان کے نام سے ایک عظیم مملکت دُنیا کے نقشے پر اُبھری اور صوبہ سرحد میں شامل پشاور شہر اس مملکت کی وسعتوں میں سما گیا!

دریائے کابل کے کنارے، راول پنڈی شہر سے تقریباً 172 کلومیٹر مغرب میں، درّہ خیبر کے دہانے پر پشاور کا عظیم شہر آباد ہے۔ اس شہر کا کل رقبہ 77 مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں شنواری، آفریدی، خٹک، داؤدزئی، محمد زئی، مہمند اور خلیل قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔ ''پشتو'' اور ''ہندکو'' یہاں کی اہم زبانیں ہیں۔ ان کے علاوہ اردو، پنجابی، فارسی اور انگریزی زبانیں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔

پشاور شہر نے قیامِ پاکستان کے بعد انتہائی حیرت انگیز انداز میں ترقی کی۔ آج یہ شہر پاکستان کے اہم اور بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے اور اِسے پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخواہ کے دارالحکومت کا درجہ حاصل ہے۔

پشاور شہر میں بہت سے سرکاری اور نجی اسکول قائم ہیں، جب کہ ڈگری کالجوں کی تعداد آٹھ ہے۔ 1920ء میں قائم ہونے والا اسلامیہ کالج، ٹیچر ٹریننگ کالج، فارسٹ کالج، میڈیکل کالج، لاء کالج اور ایک انجینئرنگ کالج بھی قائم ہیں۔ لڑکیوں کے لیے چار کالج بنائے گئے ہیں۔ 1955ء میں یہاں خیبر میڈیکل کالج کے نام سے طبّی تعلیم کا ادارہ بھی قائم کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے تین یونیورسٹیاں بھی قائم ہیں: پشاور یونی ورسٹی، سرحد زرعی یونی ورسٹی اور سرحد انجینئرنگ یونی ورسٹی۔ یہاں مطالعے کے شائقین کے لیے برٹش کونسل لائبریری کے علاوہ ہر میونسپل وارڈ میں بھی ایک ایک لائبریری قائم کی گئی ہے۔

پشاور شہر نے صنعت و حرفت کے میدان میں بھی نمایاں ترقی کی ہے۔ آج پشاور کا شمار پاکستان کے اہم صنعتی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے صنعتی اداروں میں چینی، گھی، خوردنی تیل، ادویات، مشروبات، مربا جات، کاغذ، دیا سلائی، کھاد، پنکھے، بجلی اور مواصلات کا سامان، سرامکس، کٹلری سیٹ، بسکٹ، ڈنر سیٹ، چپس، ماربل، اسلحہ، چمڑے کی مصنوعات اور اُونی اور سوتی کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ گھریلو صنعتوں میں اعلیٰ درجے کے قالین بنائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کمبل، چادریں، کھیس، کلاہ، کڑھائی دار کپڑے، چترالی چوغے، مختلف اقسام کی دیدہ زیب قراقلی ٹوپیاں، منقش خنجر، زری کے جوتے، مٹی کے سادہ اور خوب صورت نقش و نگار والے برتن بھی گھروں میں قائم کارخانوں میں تیار کیے جاتے ہیں۔ ان اشیا کی بیرونِ ملک برآمدات سے پاکستان کو کثیر زرِمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔

پشاور میں سمال انڈسٹریز ڈویلپمنٹ بورڈ کا ڈِسپلے سینٹر بھی قائم کیا گیا ہے، جس میں یہاں کی گھریلو صنعتوں میں بنائی جانے والی تمام مصنوعات نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔ اس سینٹر کو دیکھنا ایک حیرت انگیز تجربے سے کم نہیں۔ پشاور میں پہلی قومی صنعتی نمائش 1993ء میں منعقد کی گئی تھی۔

پشاور کے شمال میں واقع ''درّہ آدم خیل'' آتشیں ہتھیاروں کی تیاری کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں موجود ہر گھر اپنی جگہ اسلحہ ساز کارخانہ ہے، جس میں بڑوں سے لے کر بچے تک اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ یہاں آپ کو ہر ملکی اور غیر ملکی اسلحے کی نقل بنتی دکھائی دے گی۔

پشاور کی اہم زرعی پیداوار میں گندم، گنّا، کپاس اور چاول شامل ہیں۔ زرعی اراضی کو سیراب کرنے کی غرض سے دریائے کابل اور دریائے سوات سے دو نہریں نکالی گئی ہیں۔

پشاور میں 1978ء میں فزیکل پلاننگ اربن ڈویلپمنٹ بورڈ قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے نے اپنے قیام سے لے کر اَب تک کئی ترقیاتی امور سرانجام دیے ہیں۔ اس ادارے نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت نئی اور جدید سہولتوں سے آراستہ بستیاں آباد کی ہیں اور شہریوں کے رہائشی مسئلے کو کافی حد تک حل کر دیا ہے۔ گلبرگ، گل بہار کالونی، حیات آباد ٹاؤن، ڈیفنس کالونی اس ادارے کی انتھک اور شبانہ روز کاوشوں کا ثمر ہے۔

پشاور میں پناہ گزین افغان باشندوں کے لیے دالازک روڈ کے قریب وسیع رہائشی کالونی بنائی گئی ہے، جہاں قالین سازی اور دیگر گھریلو صنعتوں میں تیار ہونے والی مصنوعات کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔

1955ء میں پشاور سے 6.24 کلومیٹر کے فاصلے پر ''وارسک ڈیم'' کی تعمیر کا آغاز ہوا، جو 1960ء میں مکمل ہوا۔ دریائے کابل پر تعمیر کیا جانے والا یہ ڈیم 288 میٹر لمبا اور 71 میٹر اُونچا ہے۔ یہ نہ صرف شہریوں کی آبی ضروریات کو پورا کر رہا ہے، بل کہ اس کے ذریعے 1 لاکھ 60 ہزار کلوواٹ بجلی بھی حاصل ہو رہی ہے۔

وارسک ڈیم کے قریب ایک جھیل بھی بنائی گئی ہے، جسے پکنک پوائنٹ کا درجہ حاصل ہے۔ اس جھیل کے علاوہ پشاور میں کچھ اور تفریحی مقامات بھی موجود ہیں، مثلاً جناح پارک، باغ فاران، ڈیفنس کالونی پارک، وزیر باغ، شاہی باغ، خالد بن ولید کمپنی باغ اور چھاؤنی کے علاقے میں قائم کیا گیا ''پشاور میوزیم''۔ پشاور میوزیم میں گندھارا آرٹ کے نادر و نایاب نمونے، قائدِاعظم کے زیرِ استعمال طیارہ اور دیگر بہت سی دریافت شدہ اشیا نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔ یہاں ایک ''فارسٹ میوزیم'' بھی بنایا گیا ہے، جو پشاور

یونی ورسٹی کے قریب واقع ہے۔

گور گھٹڑی کی 20 کنال کے وسیع وعریض رقبے میں پھیلی ہوئی سرائے بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔قدیم دور میں اس سرائے میں بدھ مت کی عبادت گاہ بنائی گئی تھی، جسے گپت خاندان کے دور میں متعارف کرائے جانے والے ہندو دھرم کے مندر میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کے شکستہ حصّوں کو اَز سرِ نو مرمت کر کے مضبوط کر دیا گیا۔اس میں ہندو دھرم کے پجاری چلّہ کشی کیا کرتے تھے۔ ہندوستان میں مغل خاندان برسرِ اقتدار آنے کے کافی عرصے بعد شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آرا بیگم نے اسے سرائے میں تبدیل کروا دیا اور اِس کا نام ''جہاں آباد سرائے'' رکھا۔

اس سرائے میں ایک جامع مسجد اور حمام بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس دور میں تجارتی قافلے اس سرائے میں عارضی قیام کیا کرتے تھے۔جب سکھوں نے پشاور پر قبضہ کیا تو جامع مسجد کو شہید کر دیا اور اُس کی جگہ گورکھ ناتھ کا معبد تعمیر کرا دیا۔آج کل اس سرائے میں پولیس اور دیگر سرکاری اداروں کے دفاتر قائم ہیں۔

پشاور کی دیگر قابلِ دید عمارتوں میں گورنر ہاؤس، صوبائی سیکریٹریٹ اسٹیٹ بینک، ریڈیو اسٹیشن، اسٹیٹ لائف بلڈنگ، بدھ اسٹوپ، سکھ ٹیمپل، کیتھولک چرچ، گھنٹا گھر، بابِ خیبر، سوئیکارنیو اسکوائر وغیرہ شامل ہیں۔

''چوک یادگار'' پشاور کا ایک مشہور تاریخی مقام ہے۔ یہاں پاک بھارت جنگ ستمبر 1965ء کے شہدا کی یادگار تعمیر کی گئی ہے۔آپ کو اس چوک کے چاروں طرف مختلف اشیا کے علاحدہ علاحدہ بازاروں کا ایک جال سا بچھا دکھائی دے گا۔ ضرورت کی ہر چیز ان بازاروں میں دست یاب ہے۔اسی طرح سبزی، پھل، میوہ جات، نمک اور لکڑی کی بھی علاحدہ علاحدہ منڈیاں قائم کی گئی ہیں۔

پشاور کے اہم بازاروں میں کریم پورہ بازار، سنار بازار، شاہین بازار، صدر بازار، مینا بازار، صرافہ بازار، بازارِ لنگی فروشاں، بازارِ بٹیر بازاں، بازارِ ابریشم گراں، بازارِ کلاں، بازارِ ڈبگری، بازارِ مِش گراں شامل ہیں، جس میں تانبے کے برتن ملتے ہیں۔ پشاور کے ماہرِ فن کار اِن برتنوں پر ایک چھوٹی سے ہتھوڑی اور باریک چھینی کی مدد سے انتہائی نفیس اور دیدہ زیب نقش ونگار تخلیق کرتے ہیں، جنھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ارے ہم باتوں ہی باتوں میں ''قصہ خوانی بازار'' کو تو بھول ہی گئے۔ یہ عالمی شہرت یافتہ بازار پشاور کی شناختی علامتوں میں سے ایک ہے۔آج بھی یہ اپنی جاذبِ نظر رونقوں کے باعث دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے کشش رکھتا ہے۔ اس کی ایک سڑک ''اسٹریٹ آف اسٹوری ٹیلر'' کہلاتی ہے، جہاں کسی زمانے میں شام ہوتے ہی پیشہ ور قصہ گو جمع ہوا کرتے تھے اور پھر رات گئے تک ان کے قصے کہانیاں سنانے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔لوگ بہت ذوق وشوق سے ان کے قصے، کہانیاں اور داستانیں سننے آتے تھے۔قصہ خوانی بازار اُس دور میں ایشیا کے اہم ترین تجارتی مراکز میں شمار ہوتا تھا اور دُور دراز کے علاقوں سے تاجر یہاں اپنا مال فروخت کرنے آتے تھے اور واپسی پر یہاں کے گھریلو صنعتی ہنرمندوں کی تیار کردہ مصنوعات خرید کر لے جاتے تھے۔

راول پنڈی سے ''گرانڈ ٹرنک روڈ'' (جسے مختصر طور پر ''جی۔ٹی۔روڈ'' بھی کہا جاتا ہے) کے ذریعے پشاور آتے ہوئے جو مشہور مقامات آپ کا استقبال کرتے ہیں ان میں سے ایک کا نام ''جناح پارک'' ہے، جب کہ دوسرا مقام ''قلعہ بالا حصار'' ہے۔

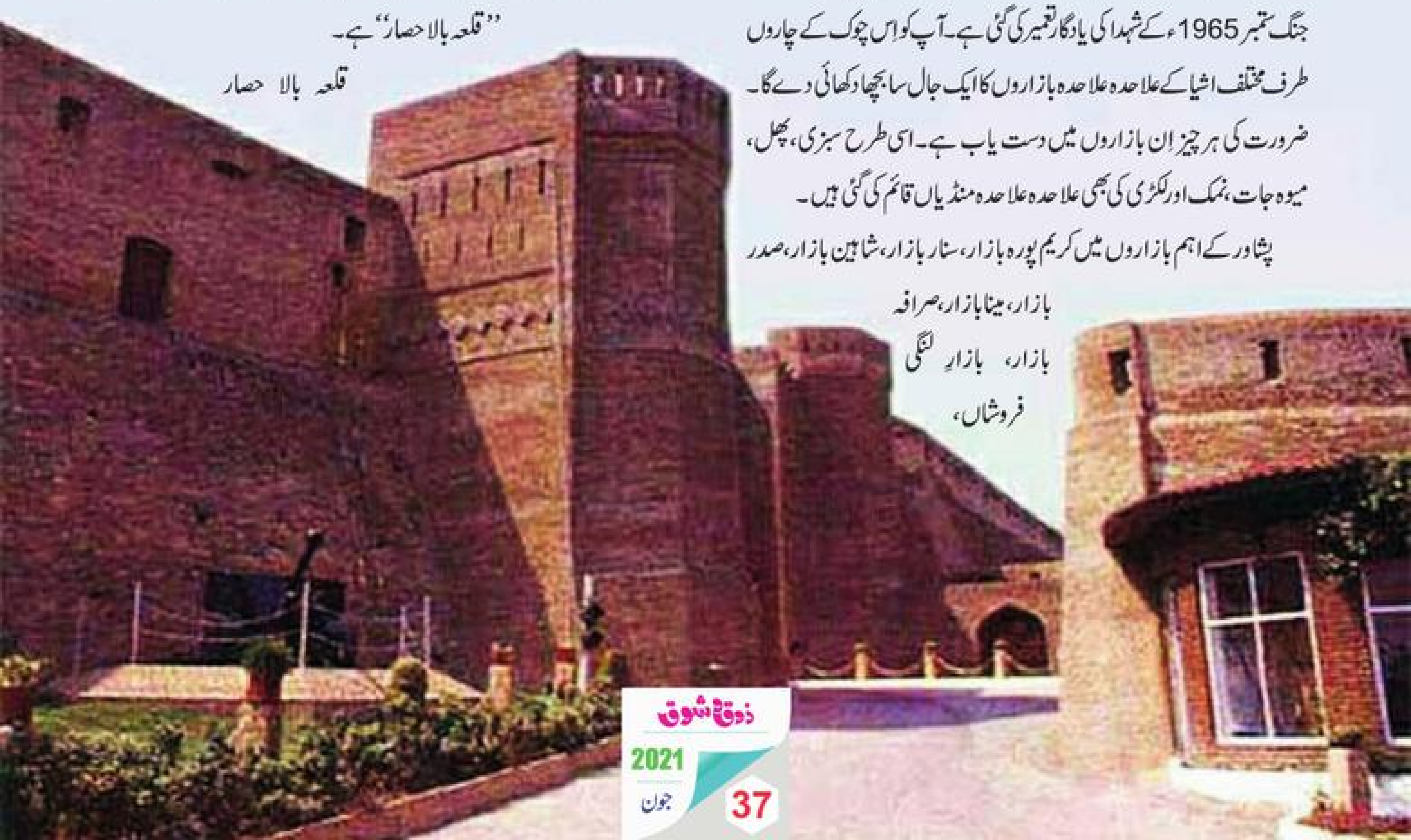

قلعہ بالا حصار

اہل نظر کو اپنی شان اور دبدبے سے متاثر کیے بغیر آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ یہ قلعہ سلطنتِ مغلیہ کے پہلے بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر نے اپنے دورِ حکومت (1526ء تا 1530ء) کے دوران میں تعمیر کروایا تھا اور تیسرے مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دور (1556ء تا 1605ء) میں یہ قلعہ پہلی بار جنگی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

1818ء میں پنجاب کے سکھ حکمران رنجیت سنگھ نے پشاور پر قبضہ کرنے کے بعد ایک فرانسیسی ماہر تعمیرات کی زیر نگرانی اس قلعے کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔

مارچ 1849ء میں جب انگریزوں نے سکھوں کی حکومت کا خاتمہ کیا تو ہندوستان کے گورنر لارڈ ڈلہوزی نے قلعہ بالا حصار کی فوجی اہمیت کے پیش نظر اُس کی کچی دیواروں کو گرا کر سُرخ رنگ کی پکی اینٹوں سے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تعمیر کے دوران میں قلعہ کی اندرونی ساخت میں بھی ضرورت کے مطابق تبدیلی کی گئی۔ فوجیوں کے لیے بیرکیں بنائی گئیں، اسلحہ رکھنے کی جگہ کو وسعت دی گئی اور دفاتر بنائے گئے۔ پشاور کو باقاعدہ فوجی چھاؤنی کی حیثیت دینے تک انگریز ''قلعہ بالا حصار'' ہی کو فوجی مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے۔

1930ء میں جب آفریدی قبائل نے پشاور پر حملہ کیا تو انگریز فوج نے اسی قلعے میں مورچہ بند ہو کر توپوں سے گولہ باری کر کے ان کی پیش قدمی کو روکا تھا۔ آفریدی قبائل کے علاوہ دوسرے قبائل نے بھی انگریزوں کو اس شہر سے نکالنے کی کئی بار کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ قلعہ بالا حصار میں مورچہ بند ہو کر انگریزوں نے ان کا مقابلہ کر کے انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد دسمبر 1948ء کو اِس عظیم تاریخی قلعے کو پاک فوج کی مشہور زمانہ ''فرنٹیئر کور'' کے ہیڈ کوارٹر کا درجہ دے دیا گیا۔ تب سے یہی ''کور'' اس قلعے کی دیکھ بھال اور مرمت کی ذمے دار ہے۔

پشاور کا ایک اور دِفاعی حصار ''قلعہ جمرود'' بھی ہے، جو سکھ دور کی یادگار ہے۔ 1823ء میں تعمیر کیا جانے والا یہ قلعہ پشاور سے تقریباً 16 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ 1837ء میں امیر کابل کی فوج اور سکھوں کے درمیان اس مقام پر خوں ریز معرکہ لڑا گیا تھا، جس میں مشہور سکھ جنرل ہری سنگھ نلوا ہلاک ہوا تھا اور امیر کابل کی فوج نے اس قلعے پر قبضہ کر لیا تھا۔

پشاور کے ''چوک یادگار'' کے قریب اسلامی عظمتوں کی پاسباں ''مسجد مہابت خان'' واقع ہے۔ اس مسجد کا شمار پشاور کی بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔

یہ مسجد سلطنتِ مغلیہ کے پانچویں بادشاہ شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے

گورنر، زمانہ بیگ المعروف مہابت خان نے 1630ء میں تعمیر کرائی تھی۔اس مسجد کے دونوں میناروں کی بلندی 110 فٹ ہے۔مسجد کا صحن 115 فٹ لمبا اور 100 فٹ چوڑا ہے۔

صحن کے عین درمیان وضو کے لیے تالاب بنایا گیا ہے۔مسجد کے محرابوں، دیواروں اور ستونوں پر اِنتہائی دِل کش اور خوب صورت نقش ونگار بنائے گئے ہیں، جو اُس دور کے ماہرفن کاروں کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔مسجد مہابت خان کے علاوہ پشاور میں تین سو سے زائد مساجد موجود ہیں۔خواجہ معروف مسجد، مسجد قاسم خان، سنہری مسجد، مسجد دِلاور خان اور مسجد گنج علی خان کا شمار شہر کی بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔

پشاور میں شہریوں کو طبّی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے کئی چھوٹے بڑے میڈیکل سینٹر اور ہسپتال قائم کیے گئے ہیں۔لیڈی ریڈنگ ہسپتال، کمبائنڈ ملٹری ہسپتال، خیبر ہسپتال، کنٹونمنٹ ہسپتال، مشن ہسپتال اور حیات ٹیچنگ ہسپتال یہاں کے مشہور اور بڑے ہسپتالوں میں شمار ہوتے ہیں۔

شہر میں مختلف مقامات پر پانچ بڑے بس اسٹینڈ موجود ہیں، جہاں سے دن رات متعدد بسیں اور کوچیں پاکستان کے تقریباً تمام اضلاع کے لیے روانہ ہوتی ہیں۔

پاکستان کی دوسری طویل سڑک ''انڈس ہائی وے'' (لمبائی 1220 کلومیٹر) پشاور سے نکلتی ہے اور دریائے سندھ کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ سفر طے کرتی ہوئی کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، کشمور، شکارپور، لاڑکانہ، دادو اور سہون سے ہوکر کراچی آتی ہے۔

پشاور اِنٹرنیشنل ایئرپورٹ ملک کے مصروف ہوائی اڈوں میں شمار ہوتا ہے۔یہاں سے پی۔آئی۔اے کی پروازیں اندرون اور بیرونِ ملک کے لیے روانہ ہوتی ہیں۔

پشاور شہر تک رسائی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ''ریل گاڑی'' بھی ہے۔ریلوے لائن کے ذریعے یہ شہر پاکستان کے تمام بڑے شہروں سے مربوط ہے۔انگریزوں کے دورِ حکومت کے دوران 1925ء میں پشاور سے لنڈی کوتل تک پہاڑوں میں سُرنگیں بنا کر ریلوے لائن بچھائی گئی تھی۔

آپ کی معلومات کے لیے بتاتے چلیں کہ لنڈی کوتل کا مقام کافی بلندی پر واقع ہے، اس لیے اس مقام تک جانے والی ریل گاڑی کے دونوں طرف ایک ایک انجن لگایا جاتا ہے، تب کہیں جا کر یہ ڈبل انجن ریل گاڑی لنڈی کوتل پہنچتی ہے۔اس یادگار سفر کے دوران میں ریل گاڑی 34 سُرنگوں سے گزرتی ہے۔اس کے علاوہ سڑک کے ذریعے بھی لنڈی کوتل تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

پشاور میں سیاحت وثقافت کے فروغ کے لیے بھی کافی کام کیا گیا ہے۔پاکستان نیشنل سینٹر، پشاور ریڈیو اِسٹیشن، پی۔ٹی۔وی۔سینٹر پشاور، ادارہ فروغ سیاحت (یعنی پاکستان ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن)، اباسین آرٹ کونسل، اخبارات اور رسائل وغیرہ یہاں کی ثقافت اور سیاحت کو فروغ دینے میں اہم کردار اَدا کر رہے ہیں۔ان کے علاوہ پشاور یونی ورسٹی کا شعبہ ''پشتو اکیڈمی'' بھی اس میدان میں پیش پیش ہے۔یہ شعبہ پشتو زبان اور اَدب کے فروغ میں بہت سی خدمات انجام دے رہا ہے۔

پشاور کا عجائب گھر جی۔ٹی روڈ پر واقع ہے۔یہاں گندھارا تہذیب کے دور (600 قبل مسیح سے 600ء تک) کی نادر ونایاب اشیا رکھی گئی ہیں۔ان میں قدیم دور میں استعمال ہونے والے مختلف اقسام کے برتن، ہتھیار، قلمی نسخہ جات، سونے، چاندی اور تانبے کے سکّے اور بہت سی دیگر اشیا نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔

پشاور کی ثقافتی زندگی میں ''حجروں'' کو نمایاں مقام حاصل ہے۔یہ ایک کشادہ بیٹھک ہوتی ہے۔ان میں جہاں آپ کو بہت سی چارپائیاں بچھی نظر آئیں گی، وہیں حقہ، تمباکو اور قہوے کا انتظام بھی دکھائی دے گا۔''دِیا'' بھی حجروں کا لازمی جز ہے۔سورج ڈوبتے ہی ہر حجرے کے طاق میں رکھا ''دِیا'' روشن کردیا جاتا ہے، گو کہ بجلی بھی موجود ہوتی ہے، لیکن دِیا روشن کرنا یہاں کی ثقافت کا ایک لازمی جز ہے۔

ان حجروں میں اہم مسائل پر مشاورت کی جاتی ہے اور فریقین کے درمیان ہونے والے تنازعے کا فیصلہ بھی کیا جاتا ہے۔ان کے علاوہ شادی بیاہ کی تقریبات کا انعقاد، تعزیتی نشستیں اور مہمان داری کا فریضہ بھی ان حجروں میں انجام دیا جاتا ہے۔ان حجروں میں راگ رنگ کی محفلیں بھی سجتی ہیں، جن میں بوڑھے اور جوان، پشتو زبان کے عظیم شعرا، رحمان بابا اور خوش حال خان خٹک کا کلام پیش کرتے ہیں۔موسم بہار شروع ہوتے ہی پشاور میں ''جشنِ خیبر'' کے نام سے ایک عظیم الشان میلہ منعقد کیا جاتا ہے، جس کی رونقیں دیکھنے کے لیے لوگ دُور دُور سے یہاں آتے ہیں۔

پٹھان لوگ اپنے مہمانوں کی بہت عزت اور حفاظت کرتے ہیں اور اُن کی خدمت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔ مہمان خواہ کسی کے گھر بھی ٹھہرا ہو، وہ سب کے لیے قابلِ احترام تصور کیا جاتا ہے اور اُس کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا سب کی ذمے داری ہوتی ہے۔

پٹھان لوگ صوم وصلوٰۃ اور اِسلامی تعلیمات پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ اپنی قوم اور ملک کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اب آخر میں ذکر ہوجائے پشاور کے عالمی شہرت یافتہ ''درّہ خیبر'' کا!

کوہِ سلیمان کے طویل پہاڑی سلسلے میں بل کھاتے راستوں والا یہ عظیم اور تاریخی درّہ کئی نشیب وفراز طے کرتے ہوا، کہیں سے تنگ اور کہیں سے کشادہ ہوتا ہوا، 581 کلومیٹر دُور واقع پاکستان اور افغانستان کی آخری سرحدی چوکی ''طورخم'' تک جاتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی کا لشکر ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے سترہ بار اسی درّے سے گزرا تھا۔

اس کے بعد دِیگر مسلمان فاتحین سلطان شہاب الدین محمد غوری، ظہیر الدین محمد بابر اور احمد شاہ ابدالی نے بھی ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے اسی درے کو عبور کیا تھا۔

ماضی میں درّہ خیبر کو مشہور تجارتی گزرگاہ کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے۔ اس دور میں اونٹوں کے تجارتی قافلے اسی درے سے گزرتے تھے۔

درّہ خیبر آج بھی اتنا ہی مصروف تجارتی راستہ ہے جتنا یہ ماضی میں تھا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے، اب تجارتی نقل وحرکت ریل گاڑی، بسوں اور ٹرکوں کے ذریعے ہوتی ہے۔

رہ گئی اس درّہ خیبر کی عمر تو اِس درّے کی کم از کم عمر کا اندازہ لگانے کے لیے ہم آپ کو اِتنا بتا دیتے ہیں کہ آریہ قوم اسی درّے کو عبور کرتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئی تھی اور یہ واقعہ ۲۴۰۰ قبل مسیح کا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیجیے کہ اس وقت اس عظیم اور تاریخی درّے کی عمر کتنی ہے؟

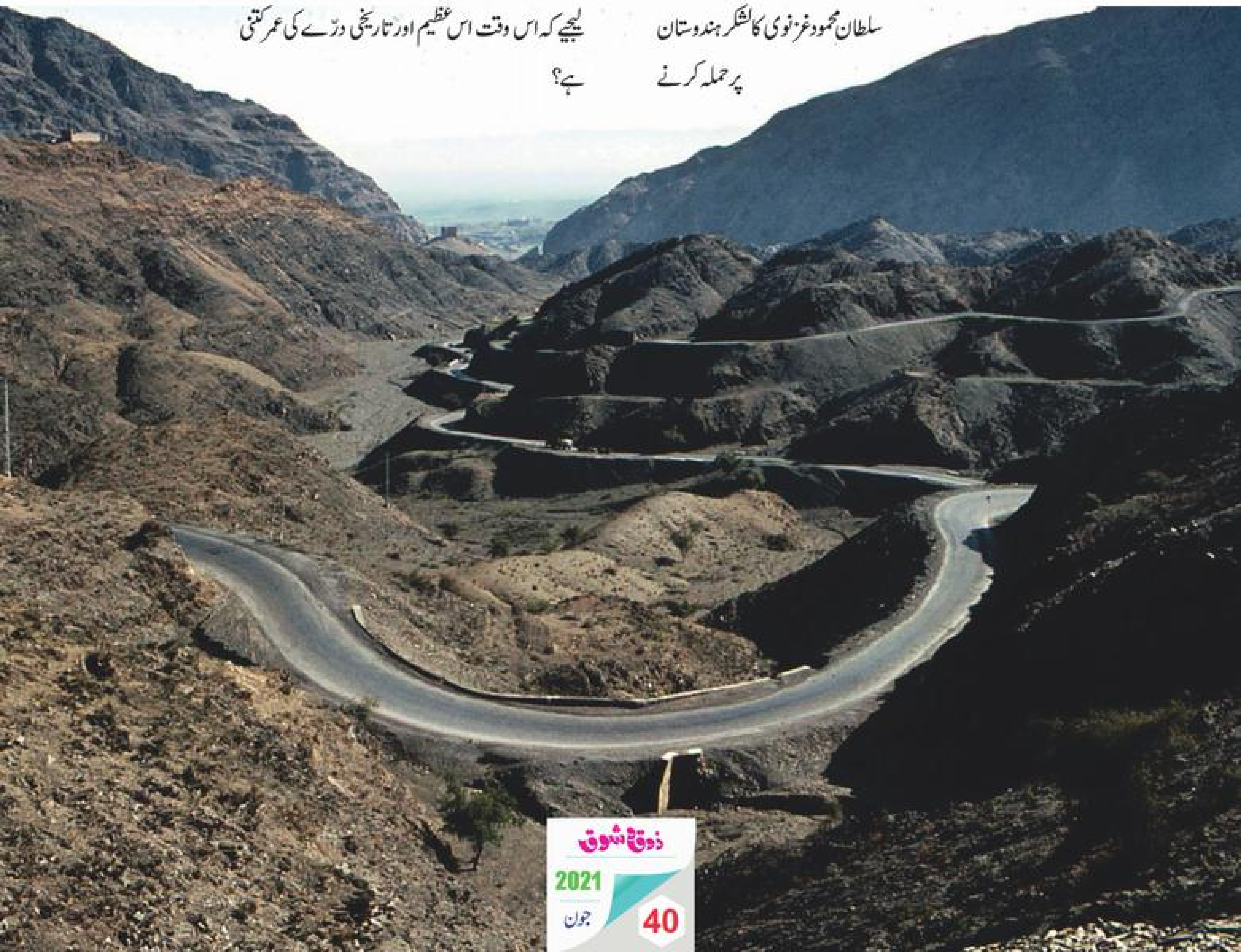

قرآن کوئز ۱۰

سعد علی چھیپا۔ کراچی

عزیز قارئین! پیشِ خدمت ہے ایک نیا انعامی سلسلہ بنام ''قرآن کوئز''، جس میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ''قرآن کریم'' کے بارے میں پانچ سوال پوچھے جائیں گے۔ صحیح جواب دینے پر آپ کو ملے گا بہترین انعام......

تو دیجیے جواب اور لیجیے انعام......

آپ کا جواب کوپن کے ساتھ ۳۰، جون، ۲۰۲۱ء تک ہمیں مل جانا چاہیے۔

سوال

1. قرآن شریف میں کتنے حروف ہیں؟
2. قرآن کریم میں سب سے پہلے کن پیغمبر علیہ السلام کا ذکر آیا ہے؟
3. سورۂ یٰس کے حروف کی تعداد ہے؟
4. قرآن مجید میں کون سے چھے شہروں کے نام ہیں؟
5. قرآن پاک میں کن چار پہاڑوں کے نام آئے ہیں؟

مجرم کی تلاش ۸

محمد عمر بن عبدالرشید۔ کراچی

''اور اب اس سے پہلے کہ ان کا جہاز روانہ ہو مجھے بندرگاہ پہنچ جانا چاہیے۔ تم لوگ اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاؤ، پتا نہیں اشعر بے چارہ کس حال میں ہوگا۔''

انسپکٹر فراز نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ انھیں کمرے میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر اُنھیں اس کمرے سے پولیس کی نفری نکلتے دکھائی دی۔ انسپکٹر فراز انھیں دیکھتے ہی بولے:

''چلو اچھا ہے، تم لوگ اس طرف نکل آئے، اب تم لوگ ایسا کرو کہ کالی جیل اور اُس گھر کو

نئے لکھاری

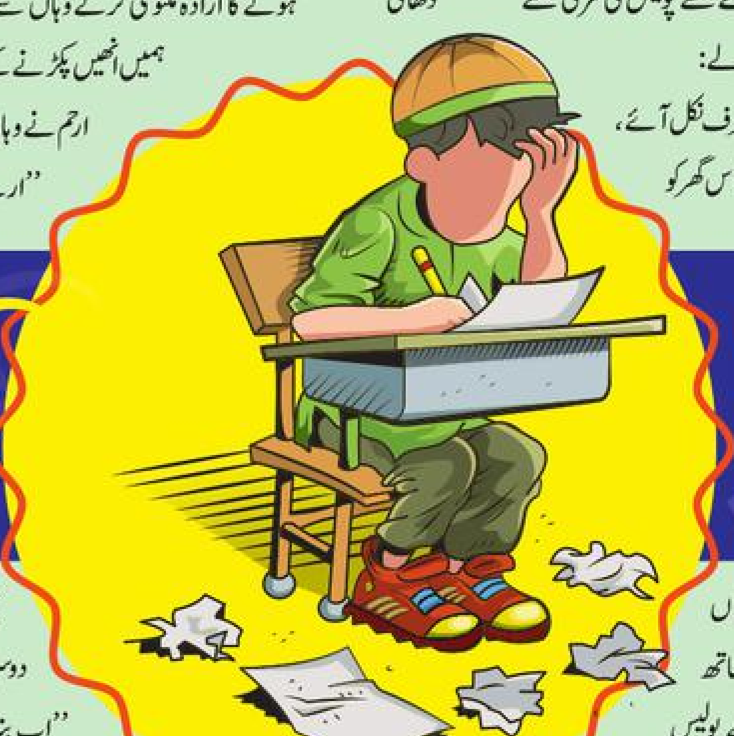

گھیرے میں لے لو اور ہاں، یہاں اشعر کی جیپ موجود ہے، اس کے ساتھ ضروری کام نمٹانے کے بعد اِسے پولیس اسٹیشن پہنچا دینا۔'' پھر چونک کر دوبارہ بولے:

''کیا تم لوگ اتنی کم تعداد میں یہاں آئے ہو؟''

''نہیں سر! باقی لوگ دوسری طرف موجود ہیں۔'' ایک حوالدار جلدی سے بولا۔

''ہوں، ٹھیک ہے، میں انھیں لے کر بندرگاہ جا رہا ہوں، کیوں کہ مجرم بحری جہاز کے ذریعے بھاگنے کے لیے پَر تول چکے ہیں۔''

یہ کہہ کر اِنسپکٹر فراز تہ خانے والے کمرے میں داخل ہو گئے اور تہ خانے میں اترتے چلے گئے۔

......☆......

انسپکٹر فراز کے چلے جانے کے بعد ارحم اور اُس کے دونوں ساتھی بھی کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ ان کی موبائل باہر ہی کھڑی تھی۔ وہ تینوں جلدی سے اس میں بیٹھ کر خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایسے میں ارحم کا ساتھی حوالدار وہاج بولا:

''ویسے ایک بات حیرت کی ہے کہ سر نے بندرگاہ پر اِنتظامیہ کو خبردار کیوں نہیں کیا کہ وہاں سے چندر راؤ اور اُس کے ساتھی ملک کی اہم فائل لیے بھاگ رہے ہیں۔''

''اگر سر اُنھیں یہ بات بتا دیتے تو ہو سکتا ہے کہ چندر راؤ اور اُس کے ساتھیوں تک بھی یہ خبر کسی طرح پہنچ جاتی اور پھر وہ لوگ سمندری ذریعے سے فرار ہونے کا ارادہ ملتوی کر کے وہاں سے بھاگ کر کہیں روپوش ہو جاتے اور پھر ہمیں انھیں پکڑنے کے لیے مزید پاپڑ بیلنے پڑتے۔''

ارحم نے وہاج کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ارے تم آگے دیکھ کر اِحتیاط سے گاڑی چلاؤ، پہلے ہی یہ سڑک کسی قدر خستہ حال ہے۔''

دوسرا حوالدار شہریار بولا۔

''اب بندر روڈ سے یہی راستہ خفیہ ٹھکانے کو جاتا ہے، اس لیے اِس طرف میں نے گاڑی موڑی ہے۔'' ارحم نے جلدی سے کہا۔

''لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم نے گاڑی اس طرف کیوں موڑی ہے؟''

شہریار حیرت سے بولا اور پھر چونک کر بولا:

''ارے، وہ دیکھو، اشعر سر۔''

دونوں نے اس طرف دیکھا تو سڑک کنارے انسپکٹر اشعر کھڑے نظر آئے۔ ان کے قریب پہنچ کر ارحم نے موبائل روک لی۔ انسپکٹر اشعر جلدی سے موبائل میں بیٹھ گئے اور موبائل پھر سے روانہ ہو گئی۔

''تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟'' انسپکٹر اشعر نے پوچھا۔

''پہلے تو آپ کو ڈھونڈنے کو خفیہ ٹھکانے جا رہے تھے، لیکن اب بندرگاہ

جا رہے ہیں''۔ ارحم نے جواب دیا۔

''بندرگاہ، لیکن کیوں!؟'' انسپکٹر اشعر حیرت سے بولے۔

وہاج نے انھیں پورا قصہ سنا دیا، جسے سن کر اُن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

......☆......

انسپکٹر فراز کی جیپ تیزی کے ساتھ کالی جیل کو پیچھے چھوڑتی دوڑی جا رہی تھی۔ ان کی جیپ کے پیچھے ہی پولیس کی بھاری نفری موبائلوں میں چلی آ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ بندرگاہ پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنی جیپ ایک جھٹکے کے ساتھ روک لی۔ پیچھے سے آتی موبائلز بھی رُک گئیں۔ اور تمام پولیس والے تیزی سے ان میں سے اترتے چلے گئے۔ انسپکٹر فراز ابھی جیپ سے اترے ہی تھے کہ اچانک ان کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی:

''شکر ہے سر! آپ پہنچ گئے۔''

یہ آواز سُن کر وہ چونک اٹھے۔ انھوں نے آواز کی سمت دیکھا تو سامنے انھیں انسپکٹر اشعر نظر آئے جو ارحم، وہاج اور شہریار کے ساتھ کھڑے تھے، پھر وہ چاروں ان کی طرف بڑھے۔

''اشعر! تمھارے ساتھ کیا بیتی؟ یہ میں بعد میں پوچھوں گا، ابھی ہمیں فوری طور پر چندر راؤ اور اُس کے ساتھیوں کو جہاز سے اتارنا ہے، لہٰذا یہاں کھڑے رہنا بے کار ہے۔'' انسپکٹر فراز یہ کہہ کر آگے بڑھے۔

''بالکل ٹھیک سر! ہم بھی ابھی ہی پہنچے ہیں آپ کے ساتھ، ورنہ ہم تو کب کے اندر داخل ہو چکے ہوتے۔''

یہ کہہ کر انسپکٹر اشعر بھی آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہی پولیس کی بھاری نفری بھی تھی۔ بندرگاہ میں اس قدر پولیس کو داخل ہوتے دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ بندرگاہ کی انتظامیہ بھی اب ان کے پیچھے دوڑی چلی آئی۔ ان میں سے ایک بولا:

''خیریت ہے سر!؟ آپ لوگ یہاں؟''

''یہاں سے ابھی تھوڑی دیر میں ایک جہاز ''سی۔ کنگ'' روانہ ہونے والا ہے، اس میں ہمارے ملک کے تین بڑے مجرم موجود ہیں، جو ہمارے ملک کی ایک اہم فائل لیے بھاگ رہے ہیں۔''

انسپکٹر فراز رُکتے ہوئے بولے۔

......(جاری ہے)......

انڈا اور کوا

کاشان صادق۔ کراچی

حسن اور لائبہ کا نتیجہ آ چکا تھا۔ دونوں نے شان دار نمبروں سے اپنی اپنی جماعت میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ حسن پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا، جب کہ لائبہ تیسری جماعت کی طالبہ تھی۔ اماں اور بابا ان دونوں کا نتیجہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

بابا نے خوشی سے سرشار ہو کر کہا:

''اب آپ دونوں جلدی سے بتائیں، کیا تحفہ لینا پسند کریں گے؟''

لائبہ نے شرارت سے حسن کی طرف دیکھا اور اُس کے کان میں کچھ کھسر پھسر کی۔ حسن نے مسکرا کر اِثبات میں سر ہلایا، پھر دونوں نے ایک ساتھ کہا:

''بابا ہمیں دیسی مرغیاں چاہییں۔''

بابا نے محبت سے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

''ماشاءاللہ! بیٹا! آپ نے بہت اچھی فرمائش کی ہے۔ میں ان شاءاللہ! کل ہی ایک بڑا سا پنجرہ اور دو مرغیاں لے آؤں گا۔''

آج اتوار کا دن تھا۔ لائبہ اور حسن دیر سے سو کر اُٹھے، اور ویسے بھی نتیجہ آنے کے بعد اِسکول کی چھٹیاں ہو چکی تھیں۔ وہ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی میز پر پہنچے تو اماں اور بابا کو اپنا منتظر پایا۔ انھوں نے ان دونوں کے انتظار میں اب تک ناشتا نہیں کیا تھا۔

بابا انھیں دیکھ کر بولے:

آپ سب لوگ جلدی سے ناشتا کریں اور پھر میرے ساتھ باغیچے میں چلیں، سب کے لیے ایک زبردست ''سرپرائز'' ہے۔''

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ دونوں اماں اور بابا اور کے ساتھ باغیچے میں آئے تو درخت کے نیچے ایک بڑا سا ڈبا چادر سے ڈھکا نظر آیا۔

بابا نے حسن اور لائبہ سے کہا:

''اب ذرا جلدی سے اِس چادر کو ہٹاؤ۔''

دونوں نے بھاگ کر چادر ہٹائی تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چادر ہٹتے ہی ایک بڑے سائز کا پنجرہ نمودار ہوا اور پنجرے میں دو دیسی

مرغیاں مٹرگشت کرتی نظر آئیں۔

مرغیاں دیکھتے ہی حسن اور لائبہ نے پنجرہ کھول کر مرغیاں اپنے ہاتھوں میں اٹھالیں اور محبت سے اُن کے سنہری پروں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

انھوں نے مرغیوں کو اپنے ہاتھ سے باجرہ کھلایا اور اُنھیں ہوا خوری کے لیے باغیچے میں چھوڑ دیا۔

ایک مرغی تھوڑی دیر کے لیے چنبیلی کی کیاری میں گئی اور جب وہ وہاں سے ہٹی تو ایک انڈا نظر آیا۔ لائبہ نے انڈا دیکھ کر شور مچایا اور کیاری کی طرف دوڑی۔ اِس سے پہلے کہ وہ انڈا اٹھاتی، سیانا کوا اچانک جے۔ایف۔تھنڈر فائٹر طیارے کی طرح انڈے پر جھپٹا اور چند لمحوں میں انڈا لے کر چیکو کے پیڑ پر جا بیٹھا۔

لائبہ اور حسن نے خوب شور مچایا، لیکن مجال ہے جو کوے میاں کی صحت پر کچھ اثر ہوا ہو۔

اس نے بڑے اطمینان سے انڈا کھایا اور ایک اونچی اڑان بھر کر سیر سپاٹے کے لیے نکل گیا۔ لائبہ نے تو باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ حسن نے اُسے دلاسا دیا اور کوے کو زیر کرنے کی مختلف ترکیبیں سوچنے لگا، پھر اُس نے مسکرا کر آنکھیں چھپکائیں اور لائبہ کو اپنا منصوبہ سمجھایا۔ لائبہ بھی حسن کا منصوبہ سُن کر بہت خوش ہوئی۔

حسن نے رات کو ہی چنبیلی کی کیاری کے اِرد گرد تین انڈے رکھ دیے اور اُن کے ساتھ ہی ایک شکاری جال اس طرح رکھا کہ انڈا اُٹھاتے ہی کوّے کا پاؤں جال میں پھنس جائے۔ اگلے دن صبح سویرے کوّوں کی کائیں کائیں کے شور سے لائبہ اور حسن کی آنکھ کھلی تو وہ بھاگ کر باغیچے میں پہنچے۔ وہاں ایک عجیب منظر تھا، بے شمار کوّوں نے اپنے ساتھی کوے کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور شور مچا مچا کر آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا۔

شور کی آواز سُن کر اَمّاں اور بابا بھی باغیچے میں آ گئے۔ بابا نے صورتِ حال کو سمجھتے ہوئے ایک ہاتھ سے حسن اور دوسرے ہاتھ سے لائبہ کا کان پکڑ کر پوچھا:

''کیوں جی، یہ سب کس کی شرارت ہے؟''

لائبہ اور حسن نے اماں اور بابا کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ بابا مسکرائے اور بولے:

''بیٹا! کوے کے لیے اتنی سزا کافی ہے، اب اسے خوب نصیحت ہو گئی ہے۔ چلیں شاباش! اب آپ اس کا پاؤں جال سے نکال دیں۔''

حسن نے ایک لکڑی کی مدد سے کوے کا پاؤں جال سے نکال دیا۔

پاؤں نکلتے ہی کوا ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نظر نہیں آیا۔

ایثار کا بدلہ

حذیفہ معاویہ۔ڈیرہ غازی خان

فون کی گھنٹی بجتے ہی چودھری افتخار چونک اٹھے۔

''ارے......! اتنی رات گئے کس کا فون آ گیا!''

انھوں نے جھٹ سے فون کان سے لگا لیا، دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز میں کوئی چلا رہا تھا:

''چودھری صاحب! چودھری صاحب! آپ کے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اس کی حالت انتہائی نازک ہے، میں اسے لے کر ہسپتال جا رہا ہوں، آپ وہاں پہنچ جائیں۔''

ایکسیڈنٹ کی خبر سنتے ہی چودھری صاحب کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ انھیں آسمان گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ فوراً کار کی طرف بھاگے، چند لمحے بعد اُن کی کار سڑک پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔

ہسپتال پہنچتے ہی وہ فوراً ایمرجنسی وارڈ کی طرف لپکے۔ ان کا سانس اکھڑا اکھڑا تھا۔ ایمرجنسی کے پاس پہنچتے ہی ان کی نظر ایک ڈاکٹر پر پڑی جو ایمرجنسی روم سے نکل رہا تھا، وہ فوراً ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔

''ڈاکٹر صاحب! کچھ دیر پہلے ایکسیڈنٹ میں زخمی لڑکے کو لایا گیا ہے، وہ کہاں ہے؟ اور اُس کی حالت کیسی ہے؟

''اوہ......تو آپ اس کے والد ہیں! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے لڑکے کی حالت انتہائی نازک ہے، اس کے دماغ میں کافی چوٹیں آئی ہیں، اس کا بچنا مشکل ہے، لیکن ہم پھر بھی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ابھی آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں ہے، آپ یہیں انتظار فرمائیں۔''

بیٹے کی یہ حالت سن کر اُن کے اوسان خطا ہو گئے، ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں دھڑام سے کرسی پر گر گئے۔

کچھ دیر وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں رہے، ان کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، اچانک مؤذن کی صدا نے ان کی غنودگی کو ختم کیا، وہ اٹھے اور مسجد کی طرف چل پڑے۔

نماز پڑھ کر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے کافی دیر تک بیٹے کی صحت یابی کے لیے دعا کرتے رہے۔ دعا کے بعد وہ پھر ایمرجنسی کی طرف چل دیے۔

ہسپتال میں داخل ہوتے ہی ایک منظر نے انھیں چونکا دیا۔ وہ ایک معصوم بچی تھی جو زمین پر بے یارومددگار لیٹی ہوئی تھی، بیماری اور کمزوری سے اس کی ہڈیاں نظر آرہی تھیں، جسم میں جگہ جگہ ڈرپوں کے نشانات تھے۔ اس کی ماں اس کے قریب بیٹھی آنسو بہا رہی تھی، چند سکے اس بچی کے سامنے پڑے ہوئے تھے۔

یہ منظر دیکھتے ہی انھیں اپنے بیٹے کا خیال آگیا۔ وہ تیزی سے اس بچی اور اُس کی ماں کے پاس گئے اور بولے:

''آپ نے اس بیمار بچی کو زمین پر کیوں لٹایا ہوا ہے؟ اس کی حالت تو بہت نازک ہے، آپ اسے فوراً ایمرجنسی میں لے جایئے۔''

سنتے ہی اس کی ماں بھرائی ہوئی آواز میں بولی:''

اس کی حالت واقعی خراب ہے، اس کے ابو دُنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، رشتے دار ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ اب یہ بیمار ہوئی تو میرے پاس علاج کے لیے رقم نہیں تھی، میں رشتے داروں کے پاس گئی، لیکن انھوں نے مجھے دھتکار دیا۔ میں اسے لے کر ہسپتال میں آئی، ڈاکٹروں نے رقم کا مطالبہ کیا اور رقم نہ ملنے صورت میں انھوں نے میری بچی کو نکال دیا، اب یہ یہاں اس انتظار میں ہے کہ کچھ رقم جمع ہو جائے تو اِس کا علاج ہو سکے۔''

یہ سنتے ہی چودھری صاحب کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ انھوں نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا اور کہا:

''اس بچی کے لیے ایمرجنسی میں اسپیشل روم بک کیا جائے، اس کا مکمل علاج کیا جائے، جتنی بھی رقم کی ضرورت ہو مجھ سے لے لی جائے۔''

یہ سنتے ہی ڈاکٹر عملے کو بچی کے بارے میں ہدایات دینے لگا، اگلے لمحے بچی کو اسپیشل روم میں منتقل کیا جا رہا تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر چودھری صاحب جوں ہی ایمرجنسی میں داخل ہوئے ایک ڈاکٹر تیزی سے اُن کی طرف لپکا:

''آپ کو مبارک ہو! آپ کے بیٹے کی طبیعت کافی حد تک بہتر ہے، اب وہ خطرے سے باہر ہے، ان شاءاللہ! چند دنوں میں وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

''لل......لیکن کیسے!؟ کچھ دیر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ اس کا بچنا مشکل ہے؟ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ خطرے سے باہر ہے؟''

''یہ بات تو خود میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ میں ایک مریض کو چیک کر رہا تھا کہ ایک ڈسپنسر نے اطلاع دی کی آپ کے بچے کو ہوش آگیا ہے۔ میں بہت حیران ہوا، کیوں کہ میرے خیال میں تو اُسے اڑتالیس گھنٹوں تک ہوش آنا ممکن ہی نہیں تھا۔ خیر میں وہاں پہنچا تو اُسے ہوش آچکا تھا اور اُس کی دماغی حالت بھی ٹھیک تھی۔ میں نے اپنی تسلی کے لیے مشینوں سے بھی چیک کیا، لیکن وہ ہر لحاظ سے ٹھیک ہے۔ تھوڑی بہت چوٹیں جو ظاہری طور پر آئی ہیں وہی باقی ہیں، وہ بھی جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔ ابھی میں نے احتیاطاً اسے سکون کا انجکشن لگایا ہے، آپ ایک گھنٹے بعد اُس سے مل لیجیے گا۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر چل دیا، لیکن چودھری صاحب خوشی سے بے حال ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکلنے لگے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہی بیمار بچی آگئی جس کے علاج کے لیے انھوں نے خرچہ دیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیران ہو رہے تھے کہ جس نے اتنی جلدی ان کے بچے کو صحت یاب کر دیا تھا، جس کے بچنے کی امید بھی نہیں تھی۔ ان کے قدم ایک بار پھر مسجد کی طرف اٹھ رہے تھے۔

سوال آدھا، جواب آدھا 19 کے درست جوابات

1. سورۂ الم نشرح۔
2. حضرت صالح علیہ السلام۔
3. حضرت آدم علیہ السلام۔
4. قومِ عاد کے ایک بادشاہ شدّاد نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور ایک باغ تیار کروا کر اسے ''بہشتِ شدّاد'' کا نام دیا تھا۔ (نوٹ: جب شدّاد کی جنت تیار ہو گئی اور وہ اس کا معاینہ کرنے آیا۔ اس نے ایک پاؤں اپنی جنت کے اندر رکھا ہی تھا کہ اس کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ گئی!)۔
5. 30، ستمبر 1947ء۔
6. استنبول میں (یہ مشہور بازار 1461ء میں فاتحِ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح کے حکم پر قائم کیا گیا تھا)۔
7. آلو۔
8. یہ جرمنی کے ایک مشہور شہر کا نام ہے (اقوامِ متحدہ کے قیام کے سلسلے میں 1945ء میں برطانوی وزیرِ اعظم چرچل، روسی صدر جوزف سٹالن اور امریکی صدر ہیری ایس ٹرومین کے درمیان اسی شہر میں مذکرات ہوئے تھے)۔
9. ''سزایات'' (Penology)۔
10. بے رحم شخص کو رحم آجانا۔

باغ باغ ہونا

ڈاکٹر الماس روحی۔ کراچی

مریم اپنے بابا جان کی لاڈلی بیٹی ہے۔ وہ اچھی بچی ہے، مگر تھوڑی سی عقل کی کچی ہے۔ اس کے بابا پیار سے اسے رانی بلاتے ہیں۔ وہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتی ہے۔ وہ پانچ بہن بھائی ہیں۔ مریم سب سے چھوٹی ہے، مگر پہلے وہ اُن سب میں ذرا بڑی لگتی تھی، کیوں کہ وہ بہت موٹی تھی۔ وہ خوب کھاتی اور گہری نیند سوجاتی۔ اگر کوئی اسے جلدی جگا دیتا تو وہ زور زور سے روتی۔ اسے کھٹی میٹھی چیزیں اچھی لگتی تھیں۔ انھیں وہ چٹخارے لے لے کر کھاتی تھی۔ دادی جان اسے چٹوری بی بی کہتیں اور بڑے، بہن بھائی اسے فٹ بال کہتے۔ اسے سبق بہت دیر سے یاد ہوتا، اس لیے اس کے نمبر بھی کم آتے۔ بابا جان ہر دفعہ اسے سمجھاتے:

”کوئی بات نہیں، اچھے نمبر آجائیں گے۔“

ایک روز وہ صبح سویرے اٹھی۔ اسے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا چلنا، درختوں کی ٹہنیوں کا جھوم جھوم کر حرکت کرنا، پودوں اور درختوں کے پتوں کا خوشی میں آکر تالیاں بجانا، پرندوں کا چہچہانا اور ہر جان دار کا اپنی زبان میں خدا کی تعریف کرنا اچھا لگا۔

اس کے ابا فجر کی نماز پڑھ کر گھر آچکے تھے، وہ اسے صبح کی سیر کے لیے گئے۔ بابا اسے بتا رہے تھے کہ صبح کے وقت کھلے میدان، کھیت یا کسی باغ کے قریب جا کر سیر کرنے سے انسان تن درست رہتا ہے۔ صبح کی تازہ ہوا اللہ کا اِنسان پر بہت بڑا انعام ہے۔ دل و دماغ پر اِس کا اچھا اثر ہوتا ہے۔

مریم کو بھی سرسبز کھیت، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور چہچہاتے پرندے اچھے لگ رہے تھے۔

مریم اب روز اپنے ابا کے ساتھ صبح سیر کے لیے جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا وزن کم ہو گیا ہے۔ اب اسے کوئی فٹ بال نہیں کہتا۔ پڑھائی میں بھی وہ اب تیز ہو چکی ہے۔ اسے اب سب کچھ یاد رہتا ہے۔

گزشتہ روز اُس کے سالانہ نتیجہ کا دن تھا۔ وہ پاس ہونے کی دعا کر رہی تھی۔ اپنا نام اور نتیجہ سُن کر اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مریم راشد تو میں ہوں، مگر میں اول کیسے آسکتی ہوں۔ انعام وصول کرتے ہوئے وہ بہت حیران ہوئی تھی۔ امی ابو اور بہن بھائی اس کی شان دار کام یابی پر باغ باغ ہو گئے۔

مشکل الفاظ:

لاڈلی: پیاری۔

وصول کرنا: حاصل کرنا۔

اول: پہلا۔

باغ باغ ہونا: بہت خوش ہونا۔

کاش! اے کاش!

انصار احمد معروفی قاسمی۔ یوپی، انڈیا

کاش مل جاتا ہوائی اک جہاز
گھومتے ہم دوست محمود و ایاز
جس جگہ جو کہتا پہنچاتے وہاں
نیچے اوپر اُڑتے زیر آسماں
سیر کرتے اچھے اچھے ملک کی
دیکھتے ہم مصر اور بحرین بھی
کرتے حاصل اُڑتے ہی تعلیم بھی
سیکھتے ہم جوڑ اور تقسیم بھی
لے کے ہم بچوں کو اس میں گھومتے
ہم کو اک ٹیچر پڑھاتے جھومتے
ہم ہر اک بچے کو کرلیتے سوار
ہو کرونا کا اسے چاہے بخار
چلتے پھرتے علم آجاتا ہمیں
کاش کوئی ایسے سکھلاتا ہمیں
چھٹیاں ہی چھٹیاں رہتی وہاں
گھومنے کی سجتی ہردم کہکشاں

حی علی الفلاح

اکبر امین میمن۔ سکھر

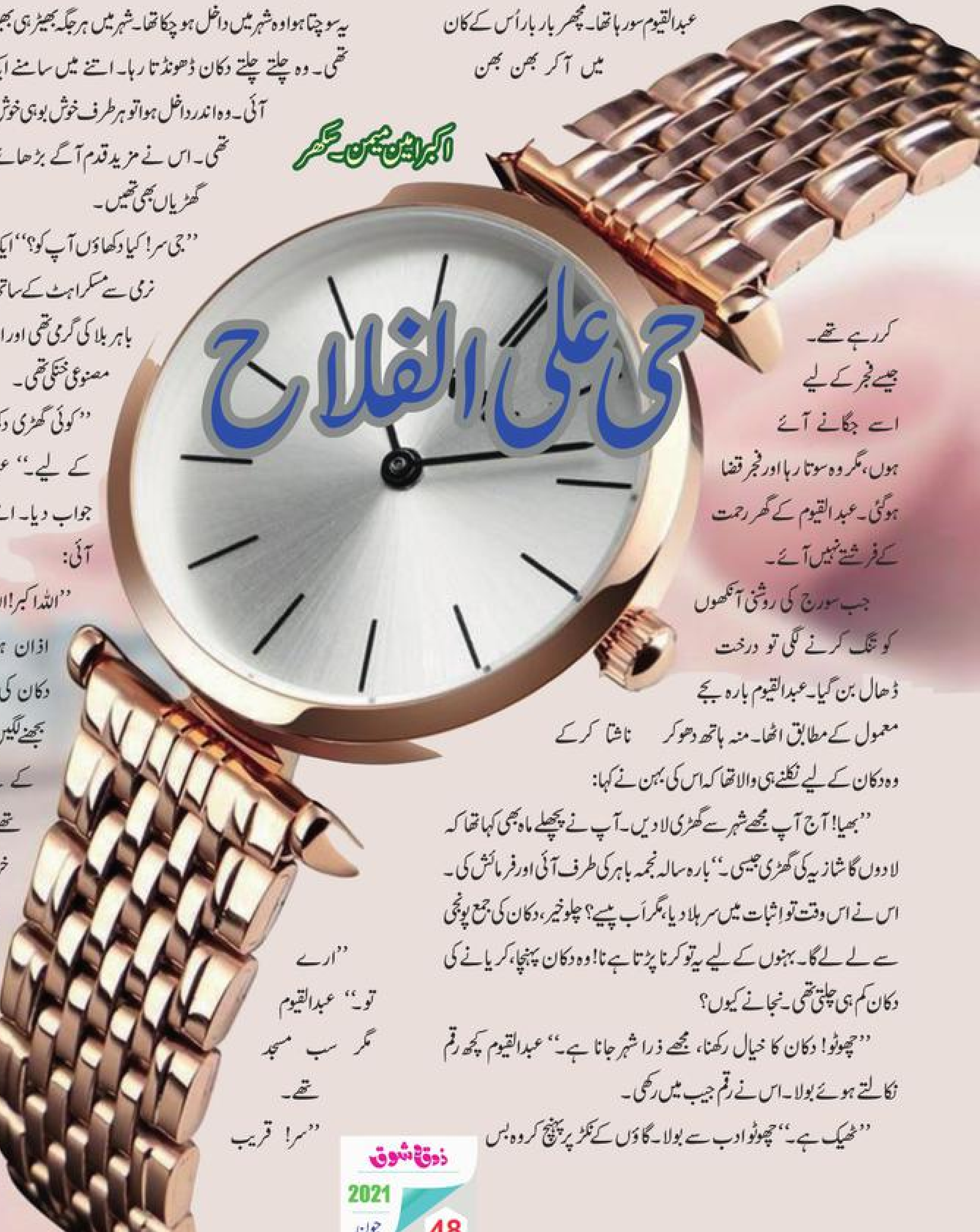

"حی علی الفلاح۔الصلاۃ خیر من النوم۔"

فجر کی اذان کی آواز گاؤں میں چاروں جانب گونج رہی تھی۔ درخت کے نیچے چارپائی پر عبدالقیوم لیٹا ہوا تھا۔ وہ اپنے گھر پر کمانے والا واحد فرد تھا۔ وہ اپنی بہن نجمہ اور اماں کے ساتھ رہتا تھا۔

عبدالقیوم سو رہا تھا۔ مچھر بار بار اُس کے کان میں آکر بھن بھن کر رہے تھے۔ جیسے فجر کے لیے اسے جگانے آئے ہوں، مگر وہ سوتا رہا اور فجر قضا ہوگئی۔ عبدالقیوم کے گھر رحمت کے فرشتے نہیں آئے۔

جب سورج کی روشنی آنکھوں کو تنگ کرنے لگی تو درخت ڈھال بن گیا۔ عبدالقیوم بارہ بجے معمول کے مطابق اٹھا۔ منہ ہاتھ دھوکر ناشتا کرکے وہ دکان کے لیے نکلنے ہی والا تھا کہ اس کی بہن نے کہا:

"بھیا! آج آپ مجھے شہر سے گھڑی لادیں۔ آپ نے پچھلے ماہ بھی کہا تھا کہ لادوں گا شازیہ کی گھڑی جیسی۔" بارہ سالہ نجمہ باہر کی طرف آئی اور فرمائش کی۔

اس نے اس وقت تو اثبات میں سر ہلا دیا، مگر اَب پیسے؟ چلو خیر، دکان کی جمع پونجی سے لے لے گا۔ بہنوں کے لیے یہ تو کرنا پڑتا ہے نا! وہ دکان پہنچا، کریانے کی دکان کم ہی چلتی تھی۔ نجانے کیوں؟

"چھوٹو! دکان کا خیال رکھنا، مجھے ذرا شہر جانا ہے۔" عبدالقیوم کچھ رقم نکالتے ہوئے بولا۔ اس نے رقم جیب میں رکھی۔

"ٹھیک ہے۔" چھوٹو ادب سے بولا۔ گاؤں کے نکڑ پر پہنچ کر وہ بس کا انتظار کرنے لگا۔ آخر بس آگئی اور وہ اس میں چڑھ گیا۔ بس میں بہت رش تھا۔ وہ لٹک کر جا رہا تھا۔

آہ! شازیہ جیسے گھڑی! لڑکیوں کا شوق گھڑی تو نہیں ہوتا، مگر اَب پھوپھی کی بیٹی نے لی ہے تو لانی ہی پڑے گی۔

یہ سوچتا ہوا وہ شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ شہر میں ہر جگہ بھیڑ ہی بھیڑ اور گہما گہمی تھی۔ وہ چلتے چلتے دکان ڈھونڈتا رہا۔ اتنے میں سامنے ایک دکان نظر آئی۔ وہ اندر داخل ہوا تو ہر طرف خوشبو ہی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے مزید قدم آگے بڑھائے، دکان میں گھڑیاں بھی تھیں۔

"جی سر! کیا دکھاؤں آپ کو؟" ایک لڑکے نے نرمی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

باہر بلا کی گرمی تھی اور اندر سکون اور مصنوعی خنکی تھی۔

"کوئی گھڑی دکھا دو لڑکیوں کے لیے۔" عبدالقیوم نے جواب دیا۔ اتنے میں آواز آئی:

"اللہ اکبر! اللہ اکبر!"

اذان ہو رہی تھی۔ دکان کی سب بتیاں بجھنے لگیں۔ سب نماز کے لیے جا رہے تھے۔ سب خریدار بھی باہر چلے گئے۔

"ارے بھائی! سنو تو۔" عبدالقیوم بولتا رہا، مگر سب مسجد جارہے تھے۔

"سر! قریب ہی مسجد

ہے، آپ بھی ظہر کی نماز ادا کر لیجیے۔'' ایک لڑکے نے کہا، مگر وہ بہانہ ڈھونڈنے لگا۔ اس کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ گاؤں جلد پہنچنا ہے۔ شاید اُس کے لیے اس کا کام زیادہ عزیز تھا، پھر وہ بھی چل دیا۔ گرمی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔

''اللہ اکبر!''

نماز شروع ہو چکی تھی۔ کافی عرصے بعد نماز ادا کر کے اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ شیطان بار بار اُس کا دھیان دوسری طرف لگا رہا تھا، مگر کم از کم اب وہ شیطان سے بچنے کی کوشش میں تھا۔ نماز کے بعد اَب ہاتھ پیالے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اٹھ گئے۔

نماز کے بعد وہ اس دکان میں دوبارہ گیا۔ اس نے نجمہ کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق انتہائی خوب صورت گھڑی خریدی۔ وہ لڑکا گھڑی پیک کر رہا تھا۔

''آپ لوگ روز نماز کے لیے اسی طرح جاتے ہو؟'' عبدالقیوم نے پوچھا۔

''اللہ کا بلاوا جب آتا ہے تو کاروبار بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔'' اس لڑکے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور دس کا نوٹ ایک ڈبے میں ڈال دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ صدقہ بکس ہے۔ جب کوئی خریدار کچھ بھی خرید کر لے جاتا ہے تو دس روپے اس میں ڈالنا ہمارا اصول ہے، صدقے کے لیے۔'' وہ لڑکا بولا۔

عبدالقیوم کو جواب ملا۔ وہ گھڑی لے کر دکان سے باہر نکلا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا، کیا وہ یہ سب کرتا ہے۔ وہ تو نماز ہی نہیں پڑھتا۔ اس کی آنکھ سے آنسو لڑھک گیا، جو اُس نے ہاتھ کی پشت سے پونچھ لیا۔

آج سے وہ بھی صدقہ دے گا اور پچھلی چھوڑی ہوئی نمازیں قضا بھی کرے گا، کیوں کہ فرض ایک قرض ہے جو اَدا کرنے کے سوا نہیں اترتا، نہ ہی اس کی معافی ہوتی ہے۔

وہ ہر ایک سے بے نیاز گرمی میں انھی سوچوں میں گم سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ اس کی سماعتوں میں ایک ہی گونج تھی جو اس نے کبھی سنا تھا: ''نماز مومن اور کافر میں فرق کرتی ہے۔''

آج سے وہ بھی ساری نمازیں ادا کرے گا۔ بے شک نماز ہی میں فلاح ہے۔ آج سے وہ خود بھی نماز پڑھے گا اور گھر والوں کو بھی اس کی تلقین کرے گا۔ اس عزم کو کرتے ہوئے وہ واپس گاؤں آنے کے لیے بس میں سوار ہو گیا۔

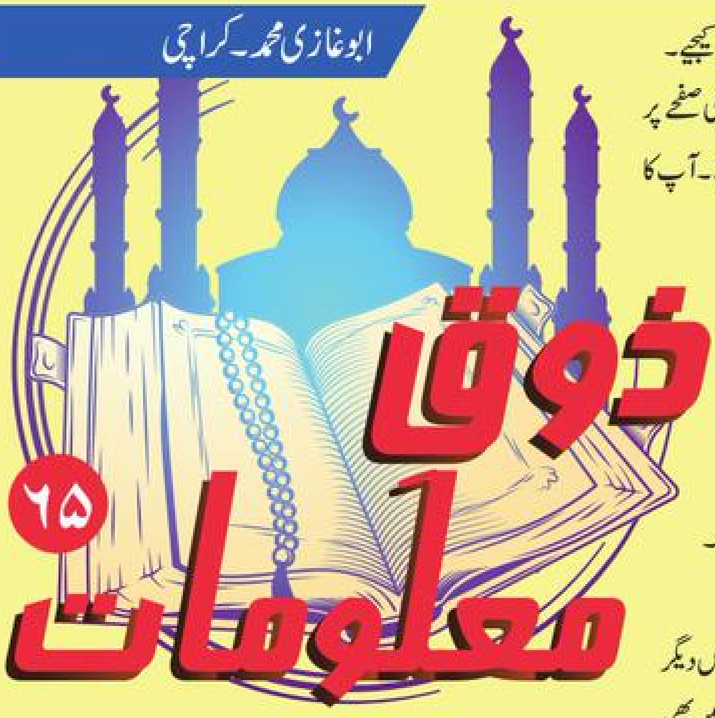

ذوق معلومات ۶۵

ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۰، جون تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کیا ہے؟

۱ یہ ایک پھل ہے جو پاکستان سمیت دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں پایا جاتا ہے۔

۲ اس کی مختلف اقسام ہیں اور یہ مختلف حجم (سائز) کا ہوتا ہے۔

۳ ڈاکٹر اسے بہترین دماغی غذا قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس میں فولاد اور فاسفورس دیگر پھلوں کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح معدے اور آنتوں کی بیماریوں میں بھی یہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ یہ خون کی کمی کو دور کرتا ہے اور گھبراہٹ کی صورت میں اس کے استعمال سے اختلاج قلب کی شکایت ختم ہو جاتی ہے۔

۴ اس پھل میں وٹامن ''بی'' اور ''سی'' مناسب مقدار میں پائے جاتے ہیں، جو جسمانی کم زوری اور صحت قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔

۵ اس پھل کو چھلکے سمیت کھانا زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

شگفتہ پارے

قارئین

☆ایک شاعر کا تخلص زخمی تھا۔ وہ کسی کام سے اپنے دوست کے پاس گئے۔

دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی:

''کون؟''

شاعر صاحب نے شاعرانہ انداز میں کہا:

''زخمی۔''

اندر سے آواز آئی:

''ہسپتال آگے ہے۔''

(محمد حمزہ۔ کراچی)

☆مالک مکان (کرائے دار سے):

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ چھت سے پانی ٹپک رہا ہے؟''

نابینا کرائے دار:

''جناب! میں چھت کے نیچے بیٹھا سوپ پی رہا تھا۔ اس پیالے کو ختم کرنے میں مجھے تقریباً دو گھنٹے لگ گئے۔''

(ماہم عطبد العزیز۔ کراچی)

☆پہلا دوست:

ہاتھی اور گھوڑے میں کیا فرق ہوتا ہے؟''

دوسرا دوست:

''گھوڑے کی دم صرف پیچھے ہوتی ہے اور ہاتھی کی آگے بھی اور پیچھے بھی۔''

(نور العین۔ حیدر آباد)

☆آدمی (شربت والے سے):

''مجھے ایک گلاس شربت دو۔ میری لڑائی ہونے والی ہے۔''

شربت والے نے اسے ایک گلاس دیا۔ اس نے پی کر کہا:

''ایک گلاس اور، میری لڑائی ہونے والی ہے۔''

اسی طرح تین چار گلاس شربت پی گیا۔

آخر تنگ کر شربت والے نے کہا:

''میاں! تمھاری لڑائی کس سے ہونے والی ہے؟''

اس آدمی نے کہا:

''تم سے، کیوں کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔''

(شایان۔ حیدر آباد)

☆مالکن نے اپنی نئی ملازمہ سے پوچھا:

''فریج صاف کیا کہ نہیں؟''

''جی ہاں بیگم صاحبہ! سب صاف کر دیا ہے۔ خاص کر انگور اور آم تو بہت مزے دار تھے۔''

(آمنہ ثاقب۔ فیصل آباد)

☆پہلا پاگل: یار! رات کو سورج کیوں نہیں نکلتا؟''

دوسرا پاگل: ''بھئی، کس نے کہا کہ نہیں نکلتا؟''

پہلا پاگل: ''تو پھر نظر کیوں نہیں آتا؟''

دوسرا پاگل: ''ارے بے وقوف! اندھیرا جو ہوتا ہے، نظر کیسے آئے گا!''

(محمد ذیشان۔ لاہور)

☆ایک بے وقوف اپنے بچے کو ہسپتال لے کر گیا۔

ڈاکٹر: ''بچے کو کیا ہوا؟''

بے وقوف: ''جناب! گرم پانی سے جل گیا ہے۔''

ڈاکٹر: ''لیکن کیسے؟''

بے وقوف: ''آپ نے کہا تھا کہ پانی بچوں کو اُبال کر پلائیں۔ میں نے اُبالا تو بچے کا یہ حال ہوگیا۔''

☆ایک پاگل نے کسی دوا ساز کمپنی کی طرف سے ایک اشتہار پڑھا کہ ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ کھانا کھاتے وقت مکھیاں آپ کے کھانے پر نہ بیٹھیں تو ۱۰۰۰ روپے فیس جمع کروائیں اور دوائی اور مشورہ حاصل کریں۔''

پاگل خوش ہوگیا۔ اس نے فوراً فیس جمع کروا دی اور رسید کمپنی کے منیجر کو دکھا کر دوا کا مطالبہ کیا۔

منیجر نے اسے کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک پنکھا دے کر کہا:

''یہ لیں، ایک ہاتھ سے کھانا کھائیں اور دوسرے ہاتھ سے مکھیاں اڑائیں۔''

(صفیہ سہیل۔ لاہور)

یہ تو پھر ہونا تھا!

مفتی محمد معاویہ اسماعیل۔ مخدوم پور

''مسٹر عیینہ! آپ کی قابلیت اور تجربہ ہماری شرائط کے مطابق ہے، لہٰذا ہم آپ کو یہ ملازمت دینے کے لیے تیار ہیں۔ مزید معلومات کے لیے آپ ہمارے منیجر سے مل سکتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے کمپنی کے جی۔ ایم۔ نے گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم بہت ہی باادب انداز میں اندر داخل ہوا۔

''جی سر؟''

''انھیں مراد صاحب سے ملوادیں۔'' اس نے ملازم سے کہا۔

''ٹھیک ہے سر!''

میں سلام کرکے اس ملازم کے ساتھ باہر آگیا۔ چند کمرے چھوڑ کر وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا، جہاں ایک نوجوان سر جھکائے کمپیوٹر پر مصروف تھا۔ سلام کرکے میں اندر داخل ہوگیا۔ نوجوان منیجر نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیا، جو مجھے اچھا تو نہ لگا، مگر میں خاموش رہا۔

''تشریف رکھیے۔'' اس نوجوان نے مجھے مخاطب کرکے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا تو میں میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''عیینہ صاحب! جی۔ ایم۔ صاحب نے مجھے ساری تفصیل بتادی ہے، کمپنی آپ کو ماہانہ پچاس ہزار روپے تنخواہ، تین ماہ تک لانے لے جانے کی سہولت، تین ماہ کے بعد رہائش کے لیے ایک بہترین گھر، تمام طبی سہولیات، بچوں کی اسکول کی فیس اور اس کے علاوہ گھر کا مکمل راشن دے گی۔ آپ کی ملازمت کا وقت سہ پہر تین بجے سے رات دس بجے تک ہوگا۔ کمپنی کے اصول کے مطابق آپ کو اِس وقت کے درمیان صرف آدھا گھنٹا وقفہ کرنے کی اجازت ہوگی، البتہ کمپنی اس بات کا آپ کو اختیار دے گی کہ وہ آدھا گھنٹا آپ کون سا منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ جو وقت آپ اپنے لیے وقفے کا منتخب کریں گے چھے ماہ تک اسے تبدیل نہیں کرسکیں گے۔ چھے ماہ کے بعد آپ کو دوبارہ یہ اختیار دیا جائے گا کہ آپ وہ وقفے کا آدھا گھنٹا اگر تبدیل کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بالکل اجازت نہیں ہوگی۔'' منیجر رُکے بغیر بولتا گیا، جیسے کسی نے اس کی چابی بھر دی ہو۔

''لیکن جناب! نماز، نماز کے لیے تو جانے کی اجازت ہوگی نا مجھے!؟ کیوں کہ نماز تو ہر مسلمان پر فرض ہے جناب! وہ بھلا ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں اور میرے ملازمت کے وقت میں تو تین نمازیں آرہی ہیں۔ اگرچہ عشا کی نماز ڈیوٹی کے وقت کے بعد اور عصر یا مغرب میں سے ایک آدھے گھنٹے کے وقفے میں ادا کی جاسکتی ہے، لیکن پھر بھی ایک بالکل ہی رہ جائے گی۔ میں تو ایسا نہیں کرسکتا، بل کہ مجھے تو یہ بھی برداشت نہیں کہ میری کوئی ایک نماز جماعت سے رہ جائے، چہ جائے کہ قضا پڑھوں۔'' میں نے تفصیل سے اپنا مدعا پیش کردیا۔

''دیکھیں جناب! ہم بھی اس بات کو جانتے ہیں، مگر آپ کمپنی کے ملازم ہونے کی حیثیت سے کمپنی کے اصولوں پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ اس آدھے گھنٹے کے علاوہ آپ کو اپنے آفس سے باہر آنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔''

''معذرت جناب! پھر میرے لیے یہ ملازمت کرنا بہت مشکل ہے۔ میں یہ ملازمت نہیں کرسکتا۔ بہت بہت معذرت!'' میں نے اپنے کاغذات اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب!؟ آپ اتنی اچھی پیش کشوں کے باوجود بھی یہ کہہ رہے ہیں۔ ایسی نوکری حاصل کرنے کے لیے تو لوگ ہماری منتیں کرتے ہیں اور ایک آپ ہیں جو یوں ایک معمولی سی بات پر نوکری کو ٹھکرا کر جارہے ہیں!؟ عجیب آدمی ہیں!؟''

''جناب! نماز آپ کے لیے شاید ایک معمولی بات ہوگی، مگر میرے لیے نہیں، بالکل نہیں، جناب! آپ کیسے

مسلمان ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کیے ہوئے فرض کو آپ معمولی بات کہہ رہے ہیں اور کمپنی جو کہ دنیا ہے اور ختم ہونے والی چیز ہے، اس کے اصول آپ کے لیے نماز سے بھی زیادہ اہم ہیں!

مجھے بہت افسوس ہوا ہے جناب! آپ کی سوچ پر بہت ہی زیادہ افسوس کہ آپ جیسے پڑھے لکھے، اپنے آپ کو تعلیم یافتہ کہنے والے شخص کی ایسی سوچ ہے۔ کم از کم آپ کو تو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کوئی غیر تعلیم یافتہ کہتا تو الگ بات تھی، مگر آپ! آپ نے ایسی بات کہی! بہت افسوس ہوا جناب! بہت معذرت! میں اس کمپنی میں ملازمت کرنا ہی نہیں چاہتا۔''

مجھے پتا تھا کہ ایک مرتبہ انکار کے بعد ملازمت تو ملے گی نہیں، کیوں کہ ایسے دنیادار اور مال دار لوگ ایک مرتبہ ملازم کی جانب سے انکار کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں، لہٰذا میں نے سوچا کہ اب اسے حقیقت سے تو روشناس کراتا جاؤں۔ شاید کبھی اسے بھی خیال آجائے۔

''ہاں، ایک صورت بن سکتی ہے۔'' جب میرے پختہ عزم کو منیجر نے دیکھا تو مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''جی جناب! کہیے وہ کیا ہے؟''

''براہِ مہربانی، بیٹھیے تو سہی، آپ اتنی جلد بازی نہ کریں۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے، آپ تو ایسے ہی ناراض ہو کر جا رہے ہیں۔''

لگتا تھا، کمپنی والے میری قابلیت اور تجربے کی وجہ سے مجھے جانے نہیں دینا چاہتے۔

''ٹھیک ہے جناب! میں آپ کی بات سن لیتا ہوں، مگر اِس وقت سوا دو بج چکے ہیں اور اڑھائی بجے ظہر کی نماز ہے۔ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں، نماز کے بعد بات کر لیتے ہیں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''مگر جناب! چند منٹ کی ہی تو بات ہے۔ پہلے بات کر لیتے ہیں، پھر آپ نماز کے لیے چلے جایئے گا۔'' منیجر نے کہا۔

''نہیں جناب! میں پہلے نماز پڑھوں گا۔ نماز سے پہلے سنتیں بھی پڑھنی ہوتی ہیں نا! یہ تو آپ کو بھی پتا ہوگا، ان کے لیے وقت چاہیے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں نماز کے بعد آپ کے پاس آجاؤں گا نہیں تو اللہ حافظ!''

''نہیں نہیں عینینہ صاحب! آپ نماز پڑھ آئیں۔ نماز کے بعد جی۔ ایم۔ صاحب کے ہی آفس میں آپ تشریف لے آیئے گا۔ وہیں چائے بھی پییں گے اور بات بھی کر لیں گے۔''

''چلیے، ٹھیک ہے۔''

میں نے باہر آکر تسلی سے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد جب میں آفس پہنچا تو جی۔ ایم۔ اور منیجر پہلے سے ہی میرے انتظار میں موجود تھے، حالاں کہ یہ ایک انتہائی معیاری کمپنی تھی، انھیں تو ملازمین کی کمی ہی نہ تھی، پھر پتا نہیں یہ مجھے ہی کیوں رکھنا چاہتے تھے! بہرحال، میں آفس میں داخل ہو گیا۔

''تشریف رکھیے!'' جی۔ ایم۔ نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں بیٹھ گیا۔

''منیجر صاحب بتا رہے تھے کہ ہماری کمپنی میں کام کرنے کے لیے آپ کی کچھ شرائط ہیں۔ ہم آپ کو انتہائی پُرکشش تنخواہ پر رکھ رہے ہیں اور آپ شرائط لگا رہے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو بھاگ کر ہماری منتیں کر کے اس ملازمت کو اِختیار کر لیتا اور وہ بھی بغیر کسی شرط کے اور ایک آپ ہیں کہ.....'' جی۔ ایم۔ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''دیکھیں جناب! میری کوئی شرط نہیں ہے۔ آدھا گھنٹا جو آپ نے وقفے کا رکھا ہے بھلے وہ مجھے نہ دیں، میں گزارا کر لوں گا، مگر نماز کے معاملے میں کوئی سمجھوتا نہیں۔ نماز کے لیے اذان ہوتے ہی میں دفتر سے نکل جاؤں گا اور کوئی کتنا ہی اہم کام کیوں نہ ہو میں اسے چھوڑ دوں گا۔ پہلے نماز پڑھوں گا، مگر آپ بے فکر رہیں، ان شاءاللہ! میں کام کی ترتیب بھی ایسی رکھوں گا کہ کوئی کام ادھورا اور بیچ میں چھوڑ کر مجھے نہیں جانا پڑے گا، بل کہ نماز کے وقت سے پہلے شروع کیے ہوئے کام کو ایسی ترتیب سے پورا کروں گا کہ وہ کام نماز کے وقت سے پہلے ہی پورا ہو جائے گا۔ کام کا ہرج بھی نہیں ہوگا اور نماز بھی میں بروقت باجماعت ادا کر لوں گا ان شاءاللہ! اب اسے آپ شرط کہیں یا کچھ اور، یہ آپ کی مرضی ہے۔''

''ٹھیک ہے، ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے، لیکن آپ کو بھی ہماری ایک شرط ماننی ہوگی۔'' جی۔ ایم۔ نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جناب! نماز کے لیے میں کوئی بھی شرط قبول کرنے کو تیار ہوں۔''

''دیکھیں، ویسے تو ہم ہر پانچ منٹ پر کٹوتی کرتے ہیں، مگر آپ کے لیے اتنی رعایت ہوگی کہ آپ کی ہر نماز پر جو وقت خرچ ہوگا اتنے وقت کے ہم تقریباً فی نماز دو سو روپے آپ کی تنخواہ میں سے کٹوتی کریں گے، یعنی ڈیوٹی کے دنوں میں روزانہ کی تین نمازوں کی آپ کی یومیہ چھے سو روپے کٹوتی ہوگی۔ کٹوتی کر کے مہینے کے بعد آپ کو بقیہ تنخواہ مل جایا کرے گی۔''

''ٹھیک ہے جناب! مجھے منظور ہے۔''

''ٹھیک ہے، پھر کل سے آپ ڈیوٹی پر آجائیں، کام آپ کو منیجر صاحب سمجھا دیں گے۔'' جی۔ ایم۔ نے عجیب سی نظروں سے مجھے

دیکھتے ہوئے کہا، جیسے میں کوئی اجنبی مخلوق ہوں یا کوئی پاگل ہوں جو روزانہ کے چھے سو روپے اپنی تنخواہ سے کٹواؤں گا، مگر میں نے اس کی بالکل پروانہ کی اور مصافحہ کر کے باہر آگیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس مالک نے نوکری بھی دے دی اور فرض کی پابندی کی توفیق بھی دے دی۔

میں نے کام کرنا شروع کر دیا۔ طے شدہ شرط کے مطابق میں اذان ہوتے ہی چلا جاتا اور تسلی سے نماز پڑھ کر واپس آجاتا۔ جب نماز کے لیے جاتا تو کئی ملازم مجھے ایسے دیکھتے جیسے میں پاگل ہوں۔ وہ شاید سوچتے ہوں گے کہ یہ کیسا احمق آدمی ہے جو مفت میں تنخواہ کٹواتا ہے۔ نماز بعد میں بھی تو پڑھی جا سکتی ہے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ اتنی عزت والی نوکری مجھے ملی ہی اسی نماز کی برکت سے ہے۔

پہلے ماہ جب مجھے تنخواہ ملی تو تقریباً پندرہ ہزار روپے کٹوتی ہوئی تھی۔ منیجر نے کٹوتی کی تفصیل بتاتے ہوئے بقیہ تنخواہ مسکرا کر میرے حوالے کی، گویا میرا مذاق اڑا رہا ہو کہ اور جاؤ ڈیوٹی ٹائم میں، مگر الحمدللہ! میرے دل میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے پندرہ ہزار روپے کٹ گئے ہیں۔ مجھے تو خوشی ہوئی کہ چند ہزار روپے کے بدلے الحمدللہ! مجھے بروقت فرض ادا کرنے کا وقت ملتا رہا۔

کئی ماہ ایسے ہی ہوتا رہا۔ شروع شروع میں باقی ملازمین مجھے بے وقوف سمجھتے تھے، مگر میرے سکون اور اطمینان کو دیکھ کر فکر مند بھی ہوتے تھے کہ اتنی کٹوتی کے باوجود یہ خوش کیسے ہے، حالاں کہ میں کئی ملازمین سے سن چکا تھا کہ وہ اپنی ضروریات کا رونا روتے تھے کہ تنخواہ کم ہے، خرچہ ہی پورا نہیں ہوتا۔ باوجود اِس کے کہ اکثر ملازمین کو کمپنی کی جانب سے بہت ساری سہولیات میسر تھیں، پھر بھی وہ روتے نظر آتے تھے۔

وقت گزرتا رہا، کام چلتا رہا۔ میں مطمئن ہو کر ملازمت کرتا رہا۔ ایک دن ایک بہت ہی عجیب بات ہوئی۔ وہ معمول کا ایک دن تھا۔ اس دن بھی عصر کی اذان ہوتے ہی میں نے اپنی کرسی چھوڑی اور نماز کے لیے اپنے دفتر سے باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت کا ایک زبردست جھٹکا لگا کہ مجھے دفتر سے باہر نکلتے دیکھ کر سارے ملازمین نے بھی اپنے اپنے کام کو چھوڑا اور اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوئے۔ میں حیران ہوا کہ انھیں کیا ہو گیا ہے۔

''ہم بھی تمھارے ساتھ چلیں گے۔ آج ہم بھی نماز پڑھیں گے اور صرف آج ہی نہیں، روزانہ پڑھیں گے، تمام نمازیں پڑھیں گے اور باجماعت پڑھیں گے، چاہے ہماری تنخواہ کٹے یا کمپنی ہمیں نکال دے۔'' ایک عمر رسیدہ پرانے ملازم نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ گویا وہ سب کا نمائندہ تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر جی۔ ایم۔ بھی گھبرایا گھبرایا اپنے آفس سے باہر آگیا، پھر اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا:

''ٹھیک ہے، جو بھی نماز کے وقت جایا کرے گا، عیینہ صاحب کی طرح اس کی بھی تنخواہ کٹے گی۔''

''ہمیں منظور ہے، ہمیں نوکری سے اگر آپ نکال بھی دیں، تب بھی کوئی بات نہیں۔ بہت عرصے ہم نے اپنے رازق کی نافرمانی کر کے آپ کے حکم مطابق وقت گزارا ہے، مگر ہم بے چین اور بے سکون رہے ہیں۔ پیسا ہوتا ہے، مگر سکون نہیں ہوتا۔ آج ہمیں عیینہ صاحب کی وجہ سے سکون کا راستہ ملا ہے، ہماری آنکھیں کھلی ہیں۔'' اسی ملازم نے کہا۔ گویا آج وہ عمر رسیدہ ملازم سب کا نمائندہ بنا ہوا تھا۔ مجھے بھی اسی نے بتایا اور جی۔ ایم۔ سے بھی وہی بات کر رہا تھا۔

ملازمین کے عزم کو دیکھ کر جی۔ ایم۔ دوبارہ آفس میں چلا گیا۔ اس دن جیسے ہی سب ملازمین کمپنی سے باہر نکلے تو وہاں موجود لوگ حیران رہ گئے کہ خیر تو ہے، آج اس وقت یہ سب کہاں جا رہے ہیں؟ جب وہاں موجود لوگوں کو پتا چلا تو وہ بھی سب ساتھ ہو لیے۔ اس دن مسجد اوپر نیچے سے بھر گئی، پھر تو ہر نماز میں ایسا ہونے لگا۔ چند ہی دنوں میں یہ بھی دیکھنے آیا کہ نماز کے وقت سڑک کے اطراف میں گاڑیاں رُک جاتیں اور سب مسافر بھی مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے، پھر تو یہ روزانہ کا معمول بن گیا کہ جیسے ہی اذان ہوتی سب ملازمین کام چھوڑ کر مسجد کا رُخ کر لیتے۔

''کل جنرل میٹنگ ہے۔ سب کا اس میٹنگ میں شرکت کرنا ضروری ہے۔'' چند دِن بعد جی۔ ایم۔ کی طرف سے آرڈر آگیا۔ سب ملازمین چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ پتا نہیں اب کیا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔

''کچھ بھی ہو، ہم نماز کے لیے جایا کریں گے۔ بھلے ہمیں نوکری سے ہی نکال دیا جائے۔'' ملازمین کے ایک کیبن سے یہ آواز نکلی تو سب اس آواز پر لبیک کہنے لگے۔

اگلے دن بڑے ہال میں میٹنگ تھی۔ جی۔ ایم۔ اور اُس کے علاوہ باقی تمام عہدے داران بھی آئے ہوئے تھے۔ سب کے لیے اچھے اکرام کا انتظام بھی تھا۔ کمپنی کا مالک بھی آیا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد کمپنی کا مالک ''ڈائس'' پر آیا:

''میرے بھائیو! میں سب سے پہلے تو عیینہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی وجہ سے ایک اہم ترین فریضے کی طرف ہماری توجہ گئی اور اُس کے بعد آپ سب دوست احباب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اجتماعی طور پر جس طرح اس فریضے کو ادا کرنے کا فیصلہ کیا اس نے ہماری آنکھوں پر بندھی تاریکی کی پٹی کھول دی ہے۔ ہم جو سب کچھ پیسا اور محنت کو سمجھتے

تھے کہ محنت سے زیادہ سے زیادہ پیسا کمایا جاسکتا ہے، آج ہمیں بھی احساس ہوا کہ صرف محنت سے رزق نہیں کمایا جاسکتا، بل کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی روشنی میں محنت کرکے برکت والا اور وہ بھی بہت زیادہ پیسا کمایا جاسکتا ہے۔ یقین کریں، ہماری کمپنی کو ان دنوں میں جو نفع ہوا ہے اور وہ بھی بغیر کسی نقصان کے، آج تک کمپنی کی تاریخ میں اتنا نفع نہیں ہوا اور میرا خیال ہے کہ یہ صرف نماز کی پابندی کی برکت سے ہوا ہے۔

آج سے سب ملازمین کو نماز کے وقت کام چھوڑ کر نماز پڑھنے کی صرف اجازت ہی نہیں، بل کہ حکم ہے کہ اذان ہوتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز پڑھیں، جی۔ ایم۔ سمیت، اور ہاں، اب ہم کمپنی کے اندر جلد ہی بہت بڑی مسجد بنا رہے ہیں ان شاء اللہ! تاکہ آپ یہیں اپنی کمپنی میں ہی سکون سے باجماعت نماز اَدا کرسکیں اور اس کی برکات کمپنی کو ملیں۔

ایک اور بات، نماز کے لیے جتنا وقت آپ کا لگے گا اس وقت کی کٹوتی بھی نہیں ہوگی اور ہاں، ایک اور اہم بات کہ عینیہ صاحب کی اب تک کی جو تنخواہ نماز کی وجہ سے کٹی ہے اس پر ہم ان سے معذرت خواہ بھی ہیں اور میں جی۔ ایم۔ صاحب کو حکم دیتا ہوں کہ اب تک کی تمام کٹوتی عینیہ صاحب کو واپس کریں اور اِس سب کا کریڈٹ چوں کہ عینیہ صاحب کو ہی جاتا ہے، اس لیے عینیہ صاحب اسٹیج پر تشریف لے آئیں، آپ سب کے سامنے انھیں بطورِ اعزاز میری طرف سے ایک لاکھ روپے نقد بطورِ انعام دیا جارہا ہے۔

یہ تو دنیا کا انعام ہے، اصل انعام تو آخرت میں انھیں ملے گا، ان شاء اللہ! آیئے عینیہ صاحب! اپنا انعام وصول کیجیے۔ اب میں خود بھی ان شاء اللہ! کوئی نماز نہیں چھوڑوں گا۔ ہر نماز باجماعت ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔“ کمپنی کے مالک کی بات ختم ہونے پر پورا ہال ”سبحان اللہ! ماشاء اللہ!“ کی آوازوں سے گونج اٹھا۔

”آیئے عینیہ صاحب! آیئے اور اپنا انعام وصول کیجیے!“ آواز تھمتے ہی کمپنی کے مالک نے دوبارہ کہا اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ جب میں نے ایک فرض کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کرنے کا عزم کرلیا تھا تو یہ تو پھر ہونا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ تو نکلنا ہی تھا کہ سب ملازمین نمازی بن جائیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اگر اللہ تعالیٰ کو ہی راضی کرنے کی نیت سے بغیر کسی لالچ اور دکھلاوے کے عمل کیا جائے تو اِس کا اثر بہت سوں پر ہوتا ہے اور وہ اثر میرے سامنے تھا۔

بہر حال، میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کرتا کم تھا۔ بس یہ اس مالک کا کرم ہی تھا کہ اس نے مجھے پوری کمپنی کے نمازی بننے کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ الحمدللہ!

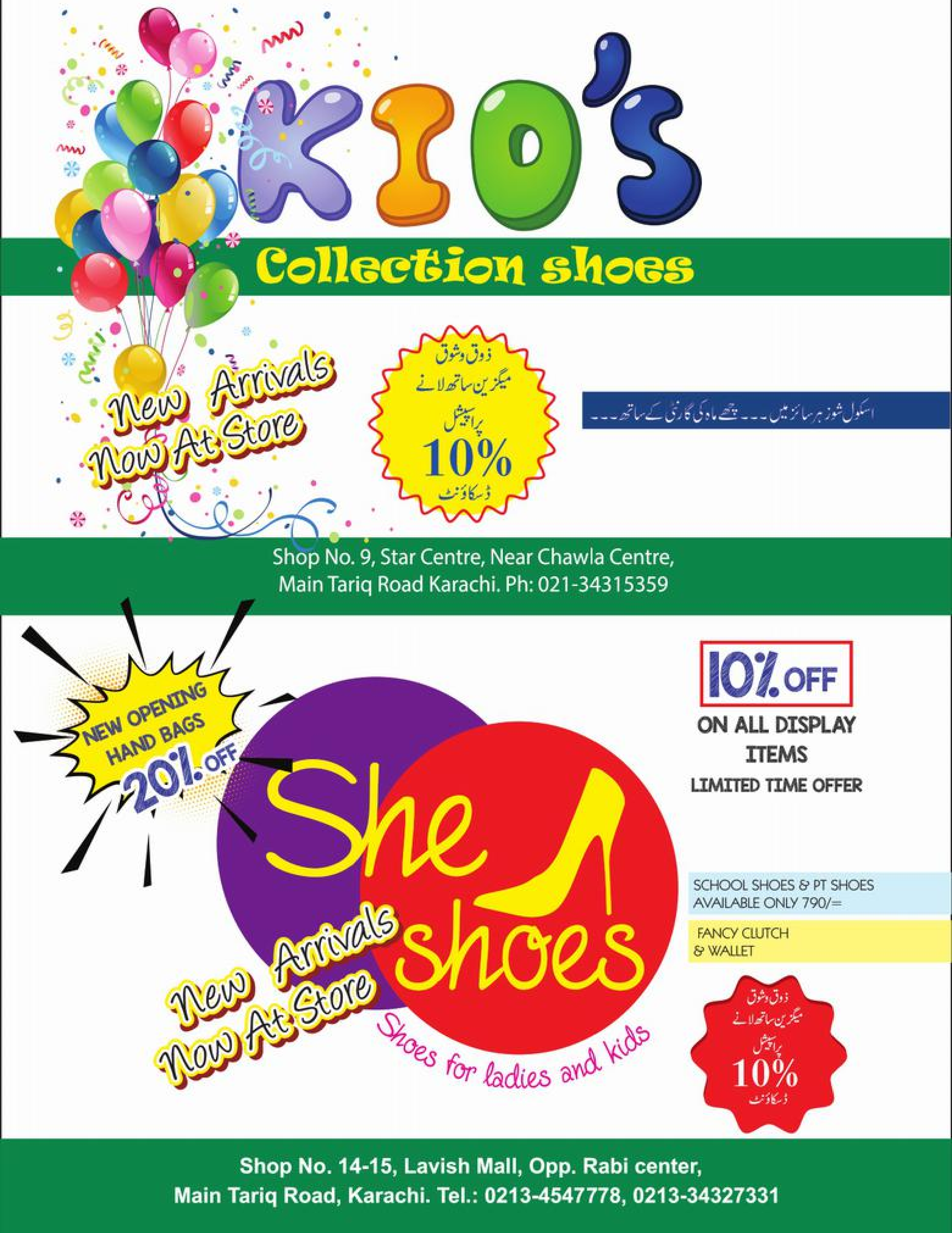

KID'S
Collection shoes
New Arrivals
Now At Store
ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ
اسکول شوز ہر سائز میں۔۔۔ چھے ماہ کی گارنٹی کے ساتھ۔۔۔
Shop No. 9, Star Centre, Near Chawla Centre,
Main Tariq Road Karachi. Ph: 021-34315359
NEW OPENING
HAND BAGS
20% OFF
She shoes
Shoes for ladies and kids
New Arrivals
Now At Store
10% OFF
ON ALL DISPLAY
ITEMS
LIMITED TIME OFFER
SCHOOL SHOES & PT SHOES
AVAILABLE ONLY 790/=
FANCY CLUTCH
& WALLET
ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ
Shop No. 14-15, Lavish Mall, Opp. Rabi center,
Main Tariq Road, Karachi. Tel.: 0213-4547778, 0213-34327331

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۶۶

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۶۵

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

سوال آدھا جواب آدھا ۲۱

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

کوپن برائے
قرآن کوئز ۱۰

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

مقابلۂ خوش خطی ۹

نام: ______________ ولدیت: ______________

مکمل پتا: ______________

فون نمبر: ______________

ہدایات: جوابات ۳۰، جون ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں...... ☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

پیارے بچوں کے لیے
پیاری کتابیں

مکتبۂ بیت العلم

فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
+92-312-3647578 ، +92-21-32726509

17 الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
+92-321-4361131 ، +92-42-37112356

ای میل: mbikhi.pk@gmail.com، ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

سلسلہ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر ”مکتبہ بیت العلم“ نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk